انعاماتِ صبر و تسلیم و رضا
شیخُ العرب والعجم
عارِف باللہ مجدِّدِ زمانہ حضرت مولانا شاہ
حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف سے مضامینِ صبر کا انتخاب)
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالمؤلفین

چینل کا مختصر تعارف

دارالمؤلفین - اردو، فارسی، عربی اور انگریزی- کتب کا ایک بڑا اور نہایت کارآمد ٹیلیگرام چینل ہے۔ جس میں آپ کو سات ہزار سے زائد کتابوں کا عظیم ترین ذخیرہ، ہر موضوع پر الگ الگ فہرستیں، نیز مشہور مصنفین کی الگ الگ فہرستیں آپ کو ملیں گی۔ جیسے:

(1) عقائد و علم کلام
(2) تفسیر
(3) علوم القرآن
(4) احادیث
(5) علوم الحدیث
(6) شروحات حدیث
(7) فقہ
(8) اصول فقہ
(9) احکام و مسائل
(10) بلاغت
(11) منطق و فلسفہ
(12) نحو و صرف
(13) ادب؛ عربی، فارسی، اردو
(14) سیرت رسول اکرم ﷺ
(15) سیرتِ صحابہ
(16) سیرتِ اکابر
(17) تازہ ترین رسائل و جرائد
(18) درس نظامی (مکمل)
(19) درود و دعائیں
(20) رد فرق باطلہ

و دیگر علوم و فنون کی کتب یکجا طور پر موضوع کے تعیین کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔

نوٹ:- اپنے ساتھیوں کو چینل میں شامل ہونے کی دعوت دیجئے اور صدقہ جاریہ کی نیت سے دوست و احباب میں ضرور شیئر فرمائیں۔

☆ نیچے کلک کریں اور جوائن ہو جائیں ☆

https://telegram.me/darulmuallifeen

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے | بہ اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے | جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا ومولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ کتاب: انعاماتِ صبر و تسلیم و رضا

صاحبِ ملفوظات: محبی و محبوبی مرشدی و مولائی سراج المِلّت و الدِّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

موضوع: صبر کے مختلف مواقع (مصائب، امراض، انتقال، تنگیٔ رزق پر صبر) مصائب کی حکمت، صبر کے مسنون اعمال، تمام قسم کے غموں کا علاج دعا کی اہمیت اور فضائل، عاملین کے فتنہ کا رَد

جامع: حضرت اقدس سیّد عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
خادمِ خاص و خلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سہیل احمد عفا اللہ عنہ

اشاعتِ اول: رجب المرجب ۱۴۴۱ھ مطابق مارچ ۲۰۲۰ء

ناشر: اِدارۃ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات **صفحہ نمبر**

کسی کے انتقال پر صبر کے بارے میں

اہلِ دنیا کے طعن وطنز پر صبر کے بارے میں

تمام قسم کے غموں کا علاج

تقدیر کا بدلنا، بعض وظائف، مسنون اعمال، عاملین کے فتنہ کا رَد

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

مالک تعالیٰ شانہٗ کا سہارا

(از کلام مرشدی نور اللہ مرقدہ)

موجِ غم میں ہے کشتی پھنسی اے خدا
فضل سے اس کو کوئی کنارا بھی دے
ایسی کشتی کو موجوں کا کچھ ڈر نہیں
مالکِ بحر و بر جب سہارا بھی دے

عرضِ مرتب

بسمہٖ تعالیٰ۔پیشِ نظر کتاب مرشدی و مولائی عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے منتخب کردہ اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو صبر اور تسلیم و رضا سے متعلق ہیں۔حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے صبر پر بیانات کی تاثیر کو احقر کے شیخِ ثانی حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے عجیب تاثیر عطا فرمائی تھی،حضرت والا کا بیان غمزدہ اور شکستہ دلوں کے لئے ایک مرہم و تسکین تھا اور سامعین اپنے تمام غموں کو بھول کر اللہ تعالیٰ کی محبت سے مست اور تسلیم و رضا کی کیفیت سے سرشار ہوجاتے تھے۔''

صبر آزما حالات سے کس بشر کی زندگی خالی ہے؟ زندگی کے مختلف مواقع پر ہر ایک کو ایسے حالات سے واسطہ پڑتا ہی ہے کہ جب دل غمزدہ ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی تسلی دے،ایسے وقت میں میرے شیخ کے کلماتِ تسلی غمزدہ کے دل کو ایسے مطمئن کردیتے تھے جیسے چھوٹا بچہ ماں کی گود میں پہنچ گیا ہو۔اب الحمدللہ! حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے وہی ارشادات،مواعظ و ملفوظات کی صورت میں تسلی کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔

میرے شیخ و مرشد حضرتِ اقدس عارف باللہ شاہ فیروز میمن صاحب مدظلہ کی خواہش ہوئی کہ صبر سے متعلق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے تمام متفرق مضامین کو یکجا کردیا جائے تو زیادہ نفع کی امید ہے،لہٰذا حضرت شیخ دامت برکاتہم کی ہدایت کے بموجب مکرمی مولانا مفتی جہانگیر سلمہٗ نے تمام تصانیف سے متعلقہ مضامین جمع کرکے احقر کے حوالے کئے، احقر نے بتوفیقِ الٰہی مکررات کو حذف کرکے مواد کو ترتیب دیا اور عنوانات لگا کر اسے کتاب کی شکل دی اور حضرت مدظلہ نے اس کا نام ''انعاماتِ صبر و تسلیم و رضا'' تجویز فرمایا۔

ہر قسم کی مشکلات سے نکلنے میں دعا سب سے بڑا ذریعہ ہے،اس لئے رسالہ کا ایک حصہ دعا مانگنے کے بارے میں ہے۔لیکن آج کل عمومی مزاج یہ بن گیا ہے کہ کوئی مشکل آئے تو عام آدمی کا ذہن دعا اور رجوع الی اللہ کی بجائے عملیات کی طرف جاتا ہے،

جس کی وجہ سے جعلی عاملین کے ہتھے چڑھ کر اپنا عقیدہ بھی خراب کرتے ہیں، مال اور وقت بھی ضائع کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ تو ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے رسالہ کا اختتام جعلی عاملوں کے بارے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی نصائح پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے، ہمارے اور اُمت کے جملہ مصائب کو راحتوں سے تبدیل فرمائے۔

ان کلمات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جامع دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ''یا اللہ! ہمارے گھروں میں جو پریشانیاں ہیں سب کو دور فرما دے، ہم میں سے جس کو جو مشکل پیش ہو، جس کے گھر میں کوئی بیماری ہو، مصیبت ہو، جسمانی ہو یا روحانی، اپنی ہو یا اپنے بچوں کی یا اپنے گھر والوں کی، سب کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں سلامت رکھئے گردوں کی پتھری سے، گردوں کے بیکار ہونے سے، پتّے میں پتھری سے، کینسر ہونے سے، بلڈ کینسر ہونے سے، جملہ خطرناک بیماریوں سے ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو حفاظت نصیب فرما، سلامتیٔ اعضا کے ساتھ ساتھ سلامتیٔ ایمان بھی نصیب فرما۔ جو مقروض ہوں ان کے قرضوں کو جلد سے جلد ادا فرما دے۔ اے اللہ! آپ کی شان وہ ہے کہ مٹی کو آپ سونا بنا دیتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مٹی کو آپ سونا بناتے ہیں اور کسی مٹی کو آپ انسان بنا دیتے ہیں۔ آپ اتنی بڑی قدرت والے ہیں۔ اپنی اس قدرتِ قاہرہ کے صدقہ میں ہم سب کو تمام قرضوں سے نجات اور ہماری روزیوں میں برکت کے ساتھ ساتھ وسعت بھی عطا فرما دیجئے۔ ہماری دنیا و آخرت راحت و عافیت والی بنا دیجئے۔ آمین''

(نوٹ: حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی دعاؤں کا مجموعہ ''درد بھری دعائیں'' ادارہ تالیفات اختریہ، خانقاہ غرفۃ السالکین، کراچی سے بلا قیمت مفت دستیاب ہے۔)

العارض

سہیل احمد عفا اللہ عنہ

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

مطابق ۲۱/ جنوری ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انعاماتِ صبر و تسلیم و رضا

صبر کسے کہتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ صبر نصف ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک! اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک دین پر اُبھارتی ہے، دوسری خواہشِ نفسانی کو اُبھارتی ہے۔ پہلی قوت کو دوسری قوت پر غالب کر دینے کا نام صبر ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرے۔ ذکر اللہ، صحبتِ اہل اللہ، موت و قبر و دوزخ کے مراقبہ سے صبر کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔

پس نفس کو دین کی بات پر پابند رکھنا اور دین کے خلاف اس سے کام نہ ہونے دینا ہی صبر ہے۔ اگر مالدار ہے تو ایسے دولت والوں کے لئے صبر یہ ہے کہ دماغ خراب نہ ہو، خدائے تعالیٰ کو نہ بھول جائے، موت اور قبر کی بے کسی کا دھیان رکھے، غریبوں کو حقیر نہ سمجھے، ان کے ساتھ نرمی اور احسان کرے۔

ایک موقع صبر کا یہ ہے کہ عبادت کے وقت سستی نہ آنے دے خواہ نماز ہو یا زکوٰۃ دینا ہو۔ ایسے موقع پر صبر تین طرح کا ضروری ہے۔ عبادت سے پہلے نیت درست کرے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہوں، نفس کی کوئی غرض شامل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ عبادت کے وقت کم ہمتی نہ کرے، خوب ہمت سے دل لگا کر سنت کے مطابق عبادت کرے اور دل کو بھی حاضر رکھنے کا اہتمام کرے۔ تیسرے یہ کہ عبادت کے بعد کسی کے سامنے اپنی عبادت کو کہتا نہ پھرے۔

دوسرا موقع صبر کا گناہ کے تقاضے کے وقت ہے، اس وقت کا صبر یہ ہے کہ نفس کو گناہ سے روکے۔

تیسرا موقع صبر کا یہ ہے کہ جب کوئی مخلوق تکلیف دے، بُرا بھلا کہے تو اس وقت کا صبر یہ ہے کہ بدلہ نہ لے، خاموش رہے اور یہ خیال کرے کہ ہم آج اس کی خطا معاف کردیں گے توکل حق تعالیٰ ہماری خطا معاف کردیں گے۔

چوتھا موقع صبر کا یہ ہے کہ مصیبت اور بیماری اور مال کے نقصان یا کسی قریبی عزیز کے مرجانے کے وقت صبر کرے۔ اس وقت کا صبر یہ ہے کہ زبان سے خلافِ شرع کلمہ نہ کہے، اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے کہ ایسا مجھ پر ظلم کیوں کیا؟ یا اتنی جلدی ہمارے عزیز کو کیوں موت دے دی؟ اور نہ بیان کرکے روئے۔ البتہ طبعی غم سے رونا اور آنسو بہانا اور اس صدمہ کا اپنے خاص احباب سے اس نیت سے اظہار کرنا کہ اس سے دل کا غم ہلکا ہوجاتا ہے جائز ہے کیونکہ بعض وقت بالکل صبر اور خاموشی سے دل کو بیماری لگ جاتی ہے۔ ایسے موقع پر ان کے ثواب کو یاد کرے اور یہ سوچے کہ یہ سب ہمارے فائدے کے لئے ہے اور یہ سوچے کہ بے صبری سے تقدیر تو ٹلتی نہیں، ناحق ثواب بھی کیوں کھویا جائے۔

مصائب کیوں آتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں نقصان اور حادثات ہمارے یقین کو بنانے کے لئے آتے ہیں جیسے بچہ کو کوئی کھلونا اتنا پسند آجائے کہ وہ کھیل میں ماں کو بھول گیا تو ماں اس کھلونے ہی کو گم کردیتی ہے، پھر کھلونا نہ پاکر جب بچہ روتا ہے تو ماں کہتی ہے آ میرے لعل! میری گود میں آجا، میری آنکھیں تجھے ترس رہی ہیں۔ ایسے ہی بندہ کسی چیز میں پھنسا رہتا ہے، کسی فانی شے کو جان کا سہارا بنالیتا ہے، اس کو اللہ میاں ہٹا دیتے ہیں تاکہ بے سہارا ہوکر میری طرف بھاگ آئے۔ لہٰذا اگر کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور یہ مسجد بھاگتا ہے، سجدے میں سر رکھ دیتا ہے، تو یہ حادثہ سبب ہوگیا اس کی حضوری کا، تضرع و گریہ و مناجات کا۔ پس اپنے بندوں کو اپنی ذات سے جوڑنے کے لئے یہ حادثات آتے ہیں، جب ہم دنیاوی تعلقات میں پھنس کر اللہ میاں کو بھول جاتے ہیں تو یہ تعلقات چونکہ حجاب ہوگئے تھے، اس لئے حجاب کو ہٹا دیتے ہیں اور خود مل جاتے ہیں۔

تسلیم و رضا اور تفویض و دعا

ارشاد فرمایا کہ جو بات دنیا میں اپنی مرضی کے ناموافق پیش ہو تو اس پر بعض وقت حد سے زیادہ غم اور گھٹن سے صحت کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور پھر دین کے کاموں میں بھی خلل اور کوتاہی ہونے لگتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تقدیر پر راضی رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سوچے کہ یہ بات ہماری مرضی کے تو خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر تو پتّا بھی نہیں ہلتا، چنانچہ یہ معاملہ خدا کی مرضی سے ہے اور مولیٰ کی مرضی ہماری مرضی سے بہتر ہے اور اس میں یقیناً ہمارا نفع ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنی رحمتِ خاص کو ماں باپ کی رحمت سے ننانوے (۹۹) گنا زیادہ کیا ہوا ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، ان سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اس کے مزاج کا کیا پوچھنا جس کی مرضی سے سارے جہان میں کام ہو رہا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے؟ فرمایا کہ دنیا میں ہر کام حق تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے اور میں نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے، بس جو ہمارے مولیٰ کی مرضی ہے وہی ہماری بھی مرضی ہے، اس لئے ہر کام ہماری مرضی سے ہو رہا ہے اور اس وجہ سے میں ہر حال میں خوش رہتا ہوں۔ حق تعالیٰ کی اس تعلیم سے بندہ ہر حال میں خوش رہتا ہے یعنی تھوڑا بہت رنج و غم تو ہو جائے گا مگر بہت زیادہ تکلیف ناقابلِ برداشت نہ ہوگی اور وہ تھوڑا غم اس بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا لطف بڑھا دے گا اور قربِ خاص کا ذریعہ ہوگا، آخرت سے غفلت نہ ہوگی اور دنیا کی محبت سے حفاظت رہے گی۔ یہی وہ تعلیم ہے جس سے اللہ والوں کے دن و رات بڑے چین سے گذرتے ہیں۔ دنیا دار تو معمولی پریشانی میں بھی بدحواس اور گھٹنے لگتا ہے اور اللہ والے غم کے پہاڑوں کو بھی مچھر کے پَر کی طرح تسلیم و رضا کی منجنیق میں رکھ کر اُڑا دیتے ہیں۔

رضا بالقضاء کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے خیر مانگتے رہنا اور

راضی رہنا اس کے حکم پر جو جاری کر دیا گیا ہے۔ آدمی کی بدبختی یہ ہے کہ خیر مانگنا بند کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ناخوش ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے راضی رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ناموافق حالات میں طبیعت اور دل کو رنج و غم بھی نہ ہو۔ پھوڑے والا مریض جب آپریشن کراتا ہے تو تکلیف کے باوجود ڈاکٹر سے خوش رہتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں روتے روتے کیا حال ہوا تھا لیکن دل سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی تھے اور اپنا غم اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کرتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اسی لذتِ تسلیم کو بیان فرماتے ہیں ۔

سوگ میں یہ کس کی شرکت ہوگئی
بزمِ ماتم بزمِ عشرت ہوگئی

مگر یہ نعمت یعنی حق تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا جب ہی نصیب ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور آخرت پر یقین ہو، اور یہ یقین و محبت اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صحبت ہی سے ہاتھ لگتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادے کا جب انتقال ہوا تو فرمایا اے بیٹے ابراہیم! بے شک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہے مگر زبان سے ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا مالک راضی ہو اور بے شک! ہم تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔ ایک صحابی نے جب تعجب سے عرض کیا کہ آپ بھی روتے ہیں؟ تو فرمایا اے ابنِ عوف! یہ تو رحمت ہے (یعنی یہ رونا رحمت کے سبب سے ہے۔)

تفویض اور دعا کا اجتماع

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسلیم اور تفویض کے ساتھ دعا مانگنا عین سنت ہے اور ان کو اس طرح جمع کیا جائے کہ دعا تو عافیت کی مانگتا رہے مگر دل سے یہ ارادہ ہو کہ اگر دعا قبول نہ ہوئی تو بھی میں راضی رہوں گا۔ ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں کامیاب رہتا ہے، چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِّلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَشَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِہٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ امْرَأَتِہٖ۔ رواہ البیہقی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب البکاء علی المیت؛ ص ۱۵۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کی عجب شان ہے، اگر اس کو کوئی بھلائی ملتی ہے تو خدا کی حمد کرتا ہے اور شکر کرتا ہے اور اگر اس کو کوئی ایذاء پہنچے تو خدا کی تعریف کرتا ہے اور صبر کرتا ہے، مومن کی ہر بات پر اجر وثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی جس کو وہ اپنی عورت کے منہ کی طرف اُٹھاتا ہے۔ یعنی موافق حالت میں شکر سے اور ناموافق حالت پر صبر سے وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا رہتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے کیا خوب اشعار ہیں ؎

بے کیفی میں بھی ہم نے تو اِک کیفِ مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں، اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں، اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں، اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

صبر کا کڑوا گھونٹ میٹھا کرنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ ایک حوض میں اگر شربتِ روح افزا ہے، اس میں کئی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں، جب آپ ٹونٹی کھولیں گے تو اس میں سے شربتِ روح افزا نکلے گا لیکن کسی نے ٹونٹی میں تھوڑی سی کوئی کڑوی چیز لگا دی تو اگر وہ شخص پریشر سے ٹونٹی کھولے گا تو کڑوی چیز کی کڑواہٹ محسوس بھی نہیں ہوگی، غالب شربت ہی رہے گا۔ ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ راضی ہیں، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے تعلق کی برکت سے اللہ کی محبت کی مٹھاس کا شربت بھرا ہوا ہے، اب دنیا کی کوئی بھی مصیبت آئے گی مثلاً نزلہ زکام ہو گیا یا کسی کا انتقال ہو گیا لیکن اس شربت کی مٹھاس کی وجہ سے اس کی زندگی بہت ہی پرسکون ہوتی ہے۔

غم اور خوشی یہ دو حالات ہر انسان کو پیش آتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ دو قسم کے حالات ہر انسان کو پیش آتے ہیں، کبھی خوشی کے لمحات ہوتے ہیں، کبھی اس کی کوئی آرزو پوری نہیں ہوتی تو دل میں صدمہ بھی ہوتا ہے، کبھی غم کبھی خوشی۔ اس غم اور خوشی کے دور سے کوئی نہیں بچا، حتیٰ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی دونوں زمانے دیکھنے پڑے۔ چنانچہ اسلام اور کفر کے پہلے معرکۂ جنگ، غزوۂ بدر میں جبکہ قریش کے نامی گرامی سرداروں کے مارے جانے کی خوشی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملی اور جب ''عدو اللہ والرسول'' ابوجہل کا سر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ مارے خوشی کے سجدۂ شکر بجالائے لیکن ٹھیک اسی وقت آپ کی صاحبزادی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پر نزع کا عالم طاری تھا، اور جس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا جا رہا تھا۔

دُکھ اور غم کا علاج

اسی طرح کفار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو تکلیف دہ باتیں سننی پڑتی تھیں تو آپ اس سے بھی غمزدہ ہو جاتے تھے، اس غم کا علاج جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے، وہ کیا ہے؟

﴿لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ○﴾

(سورۃ الحجر: آیۃ ۹۷)

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب فرما رہے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کفار کی طعن و تشنیع سے جو آپ کا سینہ گھٹ رہا ہے، ہم اس سے باخبر ہیں، آپ تو ہر وقت میری نظرِ رحمت اور نظرِ عنایت کے سامنے ہیں، پس جب آپ کو کوئی غم پہنچے تو فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فوراً اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے اور اپنے رب کا ہر حال میں شکر ادا کیجئے۔ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور نماز میں مشغول ہو جائیے، سجدے سے مراد یہاں نماز ہے۔

اس وقت شیطان بدگمانی کراتا ہے کہ کیا ہم ہی رہ گئے تھے اس مصیبت کے لئے؟ تو کہیے سبحان اللہ! اللہ پاک ہے ظلم سے، یہ غم بھیج کر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا، ہمارے ہی درجات بلند کرنے کے لئے غم بھیجتے ہیں۔

آرزوؤں میں نامرادی کی وجہ

لہٰذا غم کو سوچ سوچ کر بڑھاؤ مت، فوراً بزرگوں کے پاس چلے جاؤ، نیک دوستوں میں دل بہلاؤ، اُس زمانے میں اللہ کو زیادہ یاد کرو، جب ہوا مخالف ہوتی ہے تو پائلٹ جہاز کی رفتار اَور بڑھا دیتا ہے۔ اللہ کے نام کا سہارا بھی ایسا ہے کہ کوئی اور سہارا کیا کام دے گا! ہم پر مصائب کبھی اس لئے آتے ہیں کہ میرا بندہ مجھے جیسا یاد کرنا چاہیے ویسا یاد نہیں کر رہا ہے، جیسے صیاد جب چڑیا کو گھونسلے سے باہر نکال کر قید کرنا چاہتا ہے تو گھونسلے کو آگ لگا دیتا ہے ؎

وہ جلا اس کا نشیمن وہ اُٹھا اس سے دھواں
یوں کیا صیاد نے طائر کا سامانِ وصال

اور دعا کا مزہ بھی غم کی حالت میں بہت آتا ہے، آہ! جب کوئی مصیبت زدہ دل دعا کرتا ہے اس کیفیت کو اہلِ نعمت کیا سمجھ سکتے ہیں ؎

روتی ہے ایک چڑیا ہر شاخ سے لپٹ کر
دیکھا ہے جب سے اپنا جلتا ہوا نشیمن

جس شاخ پر وہ بیٹھنا چاہتی ہے، اس کو کاٹ دیتا ہے تاکہ ہر طرف سے ناامید ہو کر میری قید میں آجائے ؎

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لئے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے کو بہت چاہتے ہیں اس کی آرزوؤں کو نامراد کرتے رہتے ہیں، جس شاخِ مراد پر یہ نشیمن بنانا چاہتا ہے، اس کو کاٹ دیتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ اگر اس کی

آرزو پوری کردوں گا تو یہ دنیا سے کھیلنے لگے گا، مرنے والوں پر مرنے لگے گا، پھر ہم سے دل نہ لگائے گا جو زندہ حقیقی ہے، ہم چاہتے ہیں حقیقی پر مرجائے تاکہ یہ بھی زندہ ہوجائے۔ لیکن بلا اور مصیبت مانگو مت، مانگو تو عافیت اور راضی رہو مصیبت پر بھی۔ اگر غم بھیج دیں تو سمجھ لو کہ ہمارے تعلق مع اللہ کی بریانی کو دَم دینے کے لئے غم بھیجا ہے، لیکن اگر ہم غم کو سوچ سوچ کر بڑھالیں تو کیا ہوگا؟ بریانی جل جائے گی یا نہیں؟ جن لوگوں کا حق تعالیٰ سے تعلق نہیں تھا، جب کوئی بڑا غم آیا تو بہت سوں کا ہارٹ فیل ہوگیا، کتنے ہی لوگوں نے خودکشی کرلی لیکن کسی اللہ والے کے بارے میں آپ نہیں سنیں گے کہ اس نے خودکشی کی ہو، ان کے دل کو حق تعالیٰ کا سہارا ہوتا ہے۔

آم جب پکتا ہے جب کچھ گرم ہوا چلتی ہے

ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ ولی بناتا ہے تو اس کو قوتِ برداشت بھی بہت دیتا ہے، اسی کی برکت سے اس میں استقامت رہتی ہے، عجب و کبر سے تحفظ ہوتا ہے۔ اگر ان مصائب سے نہ گذارا جائے تو اتنا بڑا مجمع دیکھ کر اور ساری دنیا میں ڈنکا پٹے، ہم لوگوں کا دماغ خراب ہونے لگے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارک میں آپ کی عزت کیسے کیسے پاش ہوئی۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے، ان کو بھی مخالفین کے مجاہدات سے گذارتے ہیں لہٰذا کسی کی مخالفت سے کبھی مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر نبی کے لئے دشمن بنایا ہے، ہم تو نبی کے غلام ہیں، کیا خبر وہ مصیبت اللہ تعالیٰ سے جوڑ دے۔ بہت سے ایسے حالات ہوتے ہیں کہ اگر وہ مصیبت نہ آئے تو وہ شخص ہمیشہ اللہ والوں سے دور رہے۔ ان مصائب سے صبر کی طاقت اور نفس میں فنائیت پیدا ہوتی ہے، ایک دَم پکا دیا جاتا ہے، آم نہیں پکتا جب تک کہ تھوڑی سی گرم ہوا نہ چلے، اگر گرم ہوا نہ چلے تو بولئے! آم پکے گا؟ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی محبت کا آم جس کے دل میں پکانا چاہتے ہیں تو ذرا گرم ہوا بھی چلاتے ہیں، کچھ مخالفین گرم گرم پھونک مارتے رہتے ہیں، ستاتے بھی رہتے ہیں، تلخ باتیں بھی کہتے رہتے ہیں۔

غم اور مصیبت کے حالات میں دو کام کرنے چاہئیں

ارشاد فرمایا کہ اس بات کو سمجھ لیجیے کہ غم اور مصیبت کے حالات میں کرنے کے کام دو ہیں، یعنی غم کے حالات کے دو حق ہیں۔ **نمبر ۱:** اللہ سے عافیت کی دعا مانگنا۔ ایسے حالات میں اللہ سے عافیت کی دعا مانگنا یہ ادائے حقوقِ بندگی ہے۔ اس میں اپنے ضعف اور عجز کا اظہار اور اقرار ہے، ادائے حقِ بندگی ہے کہ میرا بندہ اپنے ضعف کا اقرار کررہا ہے کہ غم زیادہ ہونے سے دل کمزور ہوجائے گا، ہم ضعیف ہیں، ناتواں ہیں، اے اللہ! آپ اپنی رحمت سے اس غم کو عافیت سے تبدیل فرمادیں۔ **نمبر ۲:** دل سے اس پر راضی رہے کہ اگر دعا قبول نہ ہوئی، اسی حالت میں رہا تو اللہ تعالیٰ سے شکایت نہیں کروں گا، یہی تسلیم و رضا ہے یعنی اس پر راضی رہنا یہ ادائے حقوقِ مالک ہے کہ وہ ہمارے مالک ہیں اور وہ بھی ارحم الراحمین مالک!

مصائب میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں

ارشاد فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیر پھسل گیا اور دانت ٹوٹ گیا، انہوں نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یُذْهِبِ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری آنکھوں کی روشنی کو نہیں چھینا اور میری سماعت محفوظ رکھی۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰی (جو چیز اللہ لے لے اور جو وہ عطا فرمائے سب اللہ ہی کا ہے)، جب کوئی چیز لی جائے تو یہ سوچے کہ عطا کی فہرست کتنی لمبی ہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں سے کسی کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے، ان کے پیر میں زخم تھا، فرمایا شکر کرو، کہا کس بات کا شکر کروں؟ فرمایا اس بات پر شکر کرو کہ یہ زخم جو پیر میں ہے پیٹ میں نہیں ہے، آنکھ میں نہیں ہے۔ بزرگوں کی شان عجیب ہے۔ ایک بزرگ استنجاء کے لئے نکلے، چوکھٹ سے سر ٹکرا گیا اور خون بہنے لگا، لوٹ آئے اور لیٹ گئے اور فرمایا الحمدللہ۔ دو خادم موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! اس تکلیف کے وقت یہ شکر کا کون سا موقع تھا؟ انہوں نے فرمایا: ایں بلا دفع بلاہائے بزرگ۔

یہ جو چوٹ لگی کسی بڑی بلا سے نجات کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے، کوئی بڑی بلا آنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے چھوٹی بلا دے دی۔ خادموں نے کہا حضرت! یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر دونوں کسی کام سے باہر نکلے، راستے میں دیکھا کہ شیخ کے دو دشمن شیخ کو جان سے مارنے کے ارادے سے گھات لگائے چھپے بیٹھے تھے، تب وہ خادم واپس آئے کہ واقعی! اب آپ کی بات ہماری سمجھ میں آئی۔

مصائب سے درجاتِ قرب بڑھتے ہیں

(کار کا ایک معمولی حادثہ ہو گیا تھا، جس میں بعض احباب کے ہلکی سی چوٹیں آئی تھیں آج وہ لوگ آئے تو ان کی تسلی کے لئے یہ مضمون فرمایا۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسی بندے کا مقام بہت اونچا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا رہتا ہے لیکن وہ اپنے عمل سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَّمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔ رواہ احمد وابو داؤد))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب عیادۃ المریض، ص ۱۳۷)

تو اللہ تعالیٰ اس کو کوئی مصیبت اس کے جسم میں یا اولاد میں دے دیتے ہیں اور پھر اس کو صبر کی طاقت بھی دیتے ہیں، صبر کا پرچہ بھی سب حل کرا دیں گے، یہاں صَبَرَ نہیں فرمایا صَبَّرَ فرمایا یعنی اللہ اس کو صبر کی طاقت بھی دے گا، اس مصیبت پر برداشت کی طاقت بھی دیتے ہیں، ایسے ہی نہیں چھوڑ دیتے کہ جاؤ مرو، بلکہ صبر کی طاقت بھی دیتے ہیں۔

درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

درد بھی دوست کی طرف سے ہے اور درماں بھی دوست کی طرف سے ہے، ایسے مالک پر جان و دل قربان کرنا چاہیے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ امتحان بھی لیا اور پاس بھی کر دیا اور درجہ بھی

بلند کر دیا۔ اس لئے بوجہ غم اگر بلڈ پریشر ہائی (high) یا لو (low) ہو جائے تو پریشان ہرگز نہ ہو۔ بلڈ بھی ان کا ہے اور پریشر بھی ان کی طرف سے ہے، اس لئے پریشانی کیسی؟ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ غم غیر اختیاری طور پر آجائے ورنہ غم کی تمنا نہ کرے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غم سے پناہ مانگنے کی تعلیم اپنی اُمت کو تلقین فرمائی: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡهَمِّ وَالۡحُزۡنِ** اے اللہ! میں ھم اور حزن سے پناہ چاہتا ہوں۔ ھم اس غم کو کہتے ہیں **اَلَّذِیۡ یُذِیۡبُ الۡاِنۡسَانَ** جو انسان کو گُھلا دے۔ غم کو طلب کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلوانی دِکھانا ہے حالانکہ ارشادِ ربانی ہے **وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا**، **خُلِقَ** مجہول کا صیغہ ہے کہ انسان کو ضعیف بنایا گیا۔ اس میں پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں فرمائی اور تعلیم فرمائی کہ نقص کی نسبت اللہ کی طرف نہ کرے۔ ہاں اگر غیر اختیاری طور پر خود بخود غم آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ گویا یہ ایسا انعام ہے جس کا مانگنا جائز نہیں، یہ ایسا مہمان ہے کہ جس کا بلانا جائز نہیں۔ بس دعا کرو کہ جو زخمی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو مکمل صحت عطا فرمادے اور ہم سب کو ایکسیڈنٹ سے بچائے اور سب کو محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین

غم، پریشانی اور بلاؤں میں پوشیدہ رحمت پر الہامی علوم

ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو حوادث و واقعات ہو رہے ہیں، یہ محض اتفاقی امور نہیں ہوتے بلکہ حق تعالیٰ کے ارادے اور مرضی کے تحت واقع ہوتے ہیں لیکن آج کل لوگ کہتے ہیں، اگر کوئی اچھائی اور نعمت مل گئی مثلاً تجارت میں توقع سے زیادہ نفع ہو گیا یا کسی ملازم پیشہ کی تنخواہ میں غیر متوقع اضافہ ہو گیا وغیرہ، تو کہتے ہیں کہ حسنِ اتفاق سے ایسا ہو گیا، اور اگر کوئی بُرائی پہنچ گئی مثلاً سڑک کے کسی موڑ پر ٹیکسی سے تصادم ہو گیا یا اچانک کوئی بیماری آگئی یا اور کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو کہتے ہیں کہ صاحب! سوءِ اتفاق سے یہ حادثہ پیش آگیا۔ غرض نعمت مل گئی تو حسنِ اتفاق اور مصیبت آگئی تو سوءِ اتفاق سے منسوب کر دیتے ہیں اور خدا کو بھول گئے کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے ارادے

اور مرضی اور ربوبیت کے تحت ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ﴾

(سورۃ الحدید: آیات ۲۲، ۲۳)

اے لوگو! کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ (بیان القرآن) معلوم ہوا کہ ہم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے زمین میں یا ہماری جانوں میں، وہ محض امرِ اتفاقی نہیں ہے، ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے جو بغیر کسی ارادے کے خود بخود واقع ہو گیا ہو بلکہ یہ جو کچھ عالم میں رونما ہونے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے، اور یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل کام ہے اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ اللہ کے لئے یہ بالکل آسان ہے۔ اور اے انسانو! یہ تقدیر جو ہم لکھ چکے ہیں، کیوں ہم اس کی اطلاع تم کو دے رہے ہیں لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے تو تم زیادہ غمگین نہ ہو جاؤ کہ غم سے چارپائی پر ہی لیٹ جاؤ، ہم نے تمہیں غم سے مغلوب ہو جانے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، اپنی یاد کے لئے پیدا کیا ہے، اور ہم اپنے بندوں کو اتنا غم نہیں دیتے جس کو وہ برداشت نہ کر سکیں، ہم تمہاری وسعت، برداشت سے زیادہ غم نہیں دیتے ہیں، غم تو ہم تم کو تھوڑا سا دیتے ہیں، تم اس کو بے صبری سے اور ہمارا سہارا چھوڑ دینے سے بڑھا لیتے ہو۔

لہٰذا سوچنا چاہیے کہ ہماری ناراضگی اور بے صبری سے مصیبت تو ٹلے گی نہیں البتہ ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا، دنیا کے ساتھ آخرت بھی جائے گی۔ دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو کبھی نہ گھبرائے، امیدوار رہے، مایوسی کو کفر سمجھے۔ غرض ایک وجہ تو اس تقدیر کی اطلاع سے یہ ہے کہ جب کوئی نقصان ہو جائے تو غم تم پر آسان ہو جائے کیونکہ جب یہ سوچو گے کہ جو مقدر تھا وہی ہوا تو غم بھی ہلکا ہو جائے گا، اور اس رضا بالقضاء سے تم ہمارے

مقرب ہوجاؤ گے، اور صبر پر ہماری معیتِ خاصہ تمہیں حاصل ہوگی۔ اور دوسری وجہ اس اطلاعِ تقدیر کی یہ ہے کہ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰـكُمْ اگر کوئی نعمت تم کو ملے تو تکبر نہ کرو اور یہ سمجھو کہ یہ نعمت تمہارا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ محض عطائے حق ہے، جو تمہارے لئے تمہاری پیدائش سے قبل ہی مقدر کی جا چکی تھی۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا (سورۃ التوبۃ: آیۃ ۵۱) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی (چاہے وہ مصیبت غیر اختیاری ہو یا اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہو لَنْ يُّصِيْبَنَآ میں سب داخل ہے) مگر وہ پہلے ہی اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی تھی۔ لنا میں جو لام ہے، عربی قواعد کے مطابق انتفاع کے لئے آتا ہے (اللام للانتفاع) تو یہ معنیٰ ہوئے کہ جو مصیبت اور نقصان یا تکلیف دنیا میں آتی ہے وہ ہمارے فائدے کے لئے ہی ہوتی ہے، اس میں ہمارا نفع ہوتا ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ اس مصیبت میں ہمارا کوئی ضرر ہے۔ اللہ کو ہم سے دشمنی نہیں ہے، ضرر تو دشمن پہنچاتا ہے، کہیں دوست بھی ضرر پہنچایا کرتا ہے؟ اور اللہ تو ہمارا دوست ہے۔ هُوَ مَوْلٰنَا وہ ہمارا مولیٰ ہے۔ مولیٰ ولی سے مشتق ہے، دوست کہیں دشمنی کیا کرتا ہے؟ اس ربوبیت میں تربیت کا ہر انداز ہماری ولایت اور دوستی کو لئے ہوئے ہے، ہر مصیبت میں ہماری دوستی چھپی ہوئی ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا کے بعد هُوَ مَوْلٰنَا فرما کر یہ بتا دیا کہ تمہاری تقدیر کی اس کتابت میں ہماری ولایت شامل ہے، ہم نے دوستی اور ولایت کے پیشِ نظر تمہاری تقدیر لکھی ہے۔ پس جب تمہاری تقدیر ہماری دوستی کے تحت ہے تو پھر جو مصیبت یا نقصان ہوتا ہے اس میں تمہارا فائدہ ہی ہوگا، ضرر نہیں ہوسکتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تسلی کے لئے منطقی طرزِ استدلال

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصیبت میں اپنے لئے خیر سمجھنا فرضِ عین ہے، یہ یقین کرنا فرض ہے جیسا کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے۔ مصیبت آجائے تو اللہ پر راضی رہے کہ ضرور اس میں میرے لئے کوئی خیر ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ کہاں سے یہ

مصیبت میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ تھے، میں نے بھی ان کی زیارت کی ہےاوران کے جنازے میں بھی شریک ہوا تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی تھی۔ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون اپنے شیخ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاح کے لئے چالیس دن لگارہے تھے، آکر حضرت سے عرض کیا کہ آج گھر سے خط آیا ہے، سب بچے بیمار ہیں، بیوی بھی بیمار ہے، اس کی وجہ سے میں بہت تشویش میں ہوں۔حضرت مفتی صاحب چونکہ معقول ومنقول کے امام تھے تو حضرت حکیم الامت نے انہیں جواب بھی منطق والا عطا فرمایا۔حضرت نے فرمایا کہ مفتی صاحب! مومن کا اعتقاد جب ''مقدر'' پر ہے تو پھر اس کو ''مکدر'' ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی آیت پڑھی:

﴿قُل لَّن يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا﴾

(سورۃ التوبۃ: آیۃ ۵۱)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے، وہ ہمارا مالک ہے۔فرمایا کہ لنا کا لام یہاں نفع کے لئے ہے۔ مومن کو جو مصیبت پہنچتی ہے، جو تکلیف پہنچتی ہے، اس میں سراسر مومن ہی کا فائدہ ہے کیونکہ اس میں چار ہی صورتیں ممکن ہیں، چیلنج کرتا ہوں کہ پانچویں کوئی صورت نہیں ہے۔ (۱) مومن کو تکلیف دے کر اللہ تعالیٰ سو فیصد فائدہ اُٹھالے۔یہ ناممکن ہے کیونکہ اس سے اللہ کا نعوذ باللہ! بندوں کا محتاج ہونا لازم آتا ہےاوروہ سارے عالم سے بے نیاز ہے لہٰذا یہ صورت محال ہے۔(۲) سو فیصد نہیں بلکہ پچاس فیصد نفع اللہ کا ہو پچاس فیصد بندے کا ہو۔ ففٹی ففٹی۔یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا لازم آتا ہے۔(۳) تیسری صورت یہ کہ نہ بندے کا فائدہ ہو نہ اللہ کا فائدہ ہو۔جس کو چاہا کھانسی دے دی، جس کو چاہا بخار دے دیا، کسی کو غم دے دیا، کسی کو ایکسیڈنٹ کرادیا۔تو بے فائدہ کام کرنا، فضول اور لغو کام کرنا یہ اللہ کی عظمت کے خلاف ہے، اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

(۴) اب صرف ایک ہی شکل باقی رہ گئی کہ ہر مصیبت اور تکلیف میں سو فیصد مومن ہی کا فائدہ ہے۔ سبحان اللہ۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسی وقت دل میں برف کی طرح ٹھنڈک آ گئی، تسلیم و رضا کی کیفیت طاری ہوگئی۔

غرض عالم میں جو واقعات پیش آ رہے ہیں، عرش سے ان کی کمان ہو رہی ہے، یہ واقعات تو نظر آ رہے ہیں لیکن جن کی نگرانی اور کمان کے تحت ہو رہے ہیں، وہ ذات نظر نہیں آتی۔ جس طرح آپریشن روم سے کمانڈر انچیف کمان کرتا ہوتا ہے اور جنگ میدان میں لڑی جاتی ہے، جنگ تو نظر آتی ہے لیکن آپریشن روم نظر نہیں آتا۔ بے وقوف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ فوجیں خود بخود نقل و حرکت کر رہی ہیں حالانکہ وہ کمانڈر کے ارادے اور کمان کے تحت ہوتی ہیں۔

بعض مصائب بندے کو اللہ سے ملانے کے لئے آتے ہیں

غرض جس حالت میں اللہ تعالیٰ رکھیں اسی میں راضی رہو، مصائب سے گھبرانا نہیں چاہیے مگر دعا مانگتے رہو، دعا سے تعلق بڑھتا ہے، اگر ہمیشہ عافیت و راحت ہی رہے تو مزاجِ عبدیت استقامت سے ہٹ جائے۔ اللہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی، وہی جانتا ہے کہ غم کی آگ سے ایمان اور اخلاص کے نور میں کیا ترقی ہو رہی ہے اور جنت میں اس صبر کا ہمیں کیا درجہ ملنے والا ہے؟ پردیس کے دن کٹ ہی جاتے ہیں، یہ پریشانی آتی ہی اس لئے ہے کہ ہم ان کو یاد کریں جیسے کسی کا لڑکا ابّا کو یاد نہ کرتا ہو، دور دور رہتا ہو تو ابّا محلہ کے لڑکوں کو کچھ پیسے چپکے سے دے دیتا ہے کہ اس کے چپت لگاؤ، اس کو اتنا مارو کہ اسے ابّا یاد آجائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تھوڑی پریشانیاں بھیج کر ہمیں چپت لگواتے ہیں، پھر پریشانی میں اللہ یاد آتا ہے، پھر اللہ والوں کے پاس بھاگتا ہے، پھر خانقاہوں کی طرف بھاگتا ہے، مسجد کی طرف بھاگتا ہے کہ یا اللہ! میری یہ پریشانی دور فرما دیجئے۔

جو مصیبت اللہ سے جوڑ دے وہ مصیبت نہیں نعمت ہے

لہٰذا یہ غم اور مصیبت بھی اس معنی میں نعمت ہیں، جو نعمت ہمیں خدا تک پہنچا دے

وہ تو نعمت ہے ہی، جو مصیبت ہمیں خدا تک پہنچا دے وہ بھی نعمت ہے۔ مصیبت سے نجات تو مانگے لیکن مصیبت کو اپنے لئے مفید سمجھے، اگر کسی کو مصیبت میں خدا سے تعلق بڑھ جائے اور اللہ والوں کے پاس جانے کی توفیق ہوجائے، ان سے دعا کرارہا ہو، اللہ سے دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگ رہا ہو اور اس مصیبت کی وجہ سے بہت سے گناہ چھوٹ گئے ہوں تو جو مصیبت اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ دے، جو مصیبت غفلت کے پردوں کو چاک کردے، جس مصیبت سے گھبرا کر مسجدیں یاد آئیں، خانقاہیں یاد آئیں، اللہ والے یاد آئیں تو سمجھ لو کہ وہ مصیبت نہیں ہے، وہ نعمت ہے۔

جو نعمت ہمیں اللہ سے دور کردے، وہ نعمت نہیں مصیبت ہے

اور جو نعمت ہمیں خدا سے دور کردے وہ نعمت نہیں مصیبت ہے مثلاً کسی کا کاروبار نہیں چل رہا تھا، اس نے کسی بزرگ سے دعا کروائی، انہوں نے کوئی وظیفہ بتادیا، دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر روزانہ دعا مانگنے پر لگا دیا۔ ان کی دعا کی برکت سے اس کا کاروبار اچھا چل پڑا، خوب مال و دولت کی فراوانی ہوگئی، لیکن اگر اس دولت سے اس نے اپنی جائز حاجات پوری کرنے کے علاوہ گناہوں میں خرچ کیا مثلاً وی سی آر، ٹیلی ویژن لے آیا، ننگی فلموں اور بدمعاشیوں میں لگ گیا، غیر اللہ میں پھنس گیا تو یہ دولت اس کے لئے نعمت نہیں مصیبت ہے۔

غموں اور پریشانیوں کی حکمتوں پر عجیب مثال

ارشاد فرمایا کہ دنیا ایک ہسپتال ہے جہاں کسی کو انڈا ڈبل روٹی کھلایا جاتا ہے اور کسی کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس لئے کبھی یہ خیال نہ کرو کہ ہمیں غریب کیوں بنایا؟ فلاں کو کیوں امیر کردیا؟ جس طرح ہسپتال میں جس مریض کے لئے جو چیز مناسب ہوتی ہے، ڈاکٹر وہی کرتا ہے، اسی طرح دنیا کے ہسپتال میں جس شخص کے لئے جو چیز مناسب تھی، اللہ میاں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمارہے ہیں۔ پس اگر یہ استحضار رہے کہ جو کچھ ہورہا ہے اس میں ہماری مصلحت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے تو کبھی مایوسی اور

بے چینی نہ ہوگی۔ یہ تسلیم و رضا جب ہی حاصل ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ سے روح کو خاص تعلق ہو، پھر کوئی مصیبت بھی آئے، چاہے بیٹا مرجائے یا بیوی مرجائے یا تجارت میں گھاٹا آجائے، حتیٰ کہ خود اپنی جان میں کوئی بیماری لگ جائے تو غم اور تکلیف تو ضرور ہوگی لیکن اتنی نہیں ہوگی کہ دل کا چین چھن جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ غم کی حالت کے باوجود دل میں چین ہو۔ اس پر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر سنئے، فرماتے ہیں ؂

گر او خواہد عین غم شادی شود	عین بندِ پائے آزادی شود

اگر اللہ تعالیٰ فیصلہ کرلے کہ مجھے اس بندے کو خوش رکھنا ہے تو غم کی عینیتِ مصطلحہ یعنی اصطلاحاً جو عینیت ہے، اس غم کی ذات کو اللہ تعالیٰ خوشی بنادیتا ہے۔ دنیا والے تو غم کو ہٹائیں گے اور خوشی کے اسباب لائیں گے، آگ کو ہٹائیں گے اور پانی لائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اجتماعِ ضدین پر قادر ہے، وہ آگ کو پانی بنادیتا ہے اور غم کی ذات کو خوشی بنادیتا ہے اور پاؤں کی بیڑی اور قید کو آزادی بنادیتا ہے۔ لہٰذا اللہ اگر چاہے تو عین غم کی حالت میں اپنے قرب کی وہ لذت چکھا سکتا ہے کہ جس سے غم کے باوجود دل مطمئن ہو، وہ غم کو ہی خوشی بنا سکتا ہے، جیسے آنکھ کی سیاہی میں نور کا خزانہ رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑی ذات ہے، وہ اضداد کو جمع فرمانے پر قادر ہیں، بے چینی کے اسباب کو چین کا سبب بنانے پر قادر ہیں۔ لیکن یہ تو جب ہو کہ ہم ان کو راضی رکھیں، ہم تو چین و سکون گناہوں میں تلاش کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ چین تو اللہ کی یاد میں ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے چین لینا چاہتے ہیں۔

نافرمانی سے آزمائش شدید تر کردی جاتی ہے

یاد رکھیں کہ اللہ کی نافرمانی سے آزمائشیں شدید کردی جاتی ہیں۔ اس کی دلیل یہودیوں کو ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار سے منع کرنے کا قصہ ہے کہ یہود کو اللہ تعالیٰ نے یوم السبت (سنیچر کے دن) شکار کرنے کو منع فرمایا تھا لیکن ہفتہ میں چھ دن مچھلیاں نہیں آتی تھیں اور سنیچر کے دن ان مچھلیوں کو حکم ہوجاتا آج سطح پر آجاؤ تاکہ یہودی دیکھ کر

للچائیں اور فتنہ میں مبتلا ہوں، اس پر قرآنِ پاک کی آیت جو نازل ہوئی اس پر غور کیجئے:

﴿إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۱۶۳)

ترجمہ: وہ ہفتہ کے بارے میں حد (شرعی) سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتہ کے روز (دریا کی) مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، ہم ان کی اس طرح پر (شدید) آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ (پہلے سے) بے حکمی کیا کرتے تھے۔ (بیان القرآن) تو ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے شدید آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا، معلوم ہوا کہ نافرمانی سے آزمائش شدید کر دی جاتی ہے۔ اس طرح یہودی فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور پھر ان پر عذاب نازل ہوا۔

سُکھ میں اللہ کو یاد رکھو، دُکھ میں اللہ تمہیں یاد رکھے گا

ارشاد فرمایا کہ جو بیٹا باپ کو خوش رکھتا ہے، باپ بھی اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور جو بندہ اپنے مالک کو خوش رکھتا ہے مالک بھی اس کو خوش رکھنے کے لئے مال و اسباب اور سارا عالم لگا دیتا ہے۔ زمین و آسمان، سورج و چاند، فرشتے، بلوں میں چیونٹیاں اور دریاؤں کی مچھلیاں اس کے لئے دعا کرتی ہیں اور جو اپنے مالک کو ناراض کرے تو ۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اِک ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

اللہ تعالیٰ چند دن کی مہلت دیئے ہوئے ہے، وہ حلیم ہے، حلیم وہ ذات ہے جو عذاب دینے میں جلدی نہ کرے مگر ان کے کرم سے غلط فائدہ نہ اُٹھاؤ، اچانک کوئی پکڑ آجاتی ہے، پھر ایسی پکڑ آتی ہے کہ کیا عرض کروں۔ کلفٹن میں ایک شخص تھا، مولویوں کو گالیاں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ ہمیں کوئی نماز کا نہ کہے، ہم نہیں پڑھتے نماز، ہمارے پاس بہت بینک بیلنس ہے، چھ بنگلوں کا کرایہ آرہا ہے، ہماری سات پشتیں کھا سکتی ہیں، ہمارے پاس بریانی و کباب

کھانے کے لئے اتنا پیسہ ہے، پھر ہم نماز کیوں پڑھیں؟ نماز وہ پڑھے جو کنگال ہو۔ پھر کیا ہوا سنو! خبر ملی کہ پہلے پیٹ میں السر پیدا ہوا، پھر کینسر ہوا، اس کے بعد بریانی کباب سب منع ہوگئے، ڈاکٹروں نے پیٹ پھاڑ کر نلکی ڈالی، اب صرف دو تولہ جَو کا پانی پیتا تھا، دنیا کی ساری نعمتوں سے محروم ہوگیا، اس کے بعد آکسیجن لگ گئی اور نیند بھی کم ہوگئی۔ پھر اس کو مولانا لوگ یاد آئے، کہا کہ امام صاحب سے کہو کہ ہمارے لئے دعا کریں، چھ ماہ تک زندہ رہا، اس کے بعد اسی بیماری میں چھ بنگلے چھوڑ کر دنیا سے چلا گیا۔ اس لئے کہتا ہوں:

((اُذْكُرُوا اللهَ فِي الرَّخَاءِ يَذْكُرْكُمْ فِي الشِّدَّةِ))

(مصنف ابن ابی شیبة: کلام ضحاك بن قیس رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۴۷۹۴)

آرام میں اللہ کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ دُکھ میں تم کو یاد کریں گے۔ جب ہم عیش میں رہتے ہیں تو گناہوں کے انڈے تلاش کرتے ہیں اور جب پیٹھ پر اللہ تعالیٰ کے ڈنڈے پڑتے ہیں، پھر خدا یاد آتا ہے، یہ شرافت نہیں ہے۔ شریف بیٹا وہ ہے جو باپ کا ڈنڈا نہیں بلکہ اس کی مہربانیاں سوچ کر اپنے باپ کی خدمت کرے۔ شریف بندہ وہ ہے جو اپنے اللہ کے احسانات کو سوچے کہ زمین اس نے بنائی، آسمان، سورج اور چاند بنائے۔

آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ کی تشریح

ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۵۵)

اس کے مخاطب صحابہ بھی ہیں اور قیامت تک آنے والی اُمتِ مسلمہ بھی ہے۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اول خطاب تو صحابہ سے ہے، وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ میں ضمیر ''كُمْ'' حاضر کی ہے، مگر صحابہ کے واسطے سے قیامت تک کے ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کے معنی امتحان لینے کے ہیں۔

ابتلاء وامتحان کا مفہوم

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حقیقتِ امتحان، حقیقتِ ابتلاء، حقیقتِ اختبار کا عام مفہوم تحصیلِ علم ہے کہ جس کا امتحان لیا جائے اس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے کہ اس کے اندر کیا قابلیت ہے؟ جیسے مدرسوں کے ممتحن اور مہتمم اسی لئے امتحان لیتے ہیں کیونکہ ان کو خبر نہیں ہوتی کہ طالب علم میں کتنی قابلیت ہے؟ اس کو سبق یاد ہے یا نہیں؟ اور یہ پاس ہوگا بھی یا نہیں؟ تو یہاں قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لئے امتحان لیا جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس مفہوم کی نسبت کرنا محال ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ یہ علم حاصل کرنے کے لئے امتحان لیتے ہیں کہ کون کس درجہ کا صابر اور کس درجہ کا وفادار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کہ وہ اپنے بندوں کی قابلیت سے بے خبر ہو کیونکہ **وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ، وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ** وہ لطیف ہے، خبیر ہے، علیم ہے، ہمارے سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ لہٰذا یہاں امتحان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ ایمان والوں کی قابلیتِ صبر جاننے کے لئے امتحان لیتا ہے کیونکہ اللہ کو ہمارے امتحان کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بغیر امتحان جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے، ہماری طاقتِ دست و بازو سے وہ باخبر ہے۔

عاشقانِ خدا کے امتحان کا مقصد

لہٰذا یہاں اللہ کا لفظ امتحان اور ابتلاء استعمال فرمانا تحصیلِ علم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کو استعارۂ تمثیلیہ کہتے ہیں، جس سے مراد یہ ہے کہ ہم تو اپنے عاشقوں کے مقامات کو جانتے ہی ہیں کہ وہ ہر حال میں صابر اور میرے وفادار رہیں گے لیکن اس امتحان سے سارے عالم کو دکھانا چاہتے ہیں، سارے عالم میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تاریخ سازی کرتے ہیں کہ میرے عاشق ایسے باوفا ہوتے ہیں کہ مصائب میں بھی مجھ کو نہیں بھولتے اور نعمتوں میں بھی مجھے فراموش نہیں کرتے، لہٰذا یہاں امتحان سے تحصیلِ علم کا مفہوم محال ہے۔ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ** ضرور ضرور ہم تمہارا امتحان لیں گے یعنی ان آزمائشوں سے،

ان مجاہدات سے ہم تمہیں گذاریں گے تاکہ سارے عالم میں اے ایمان والو! تمہاری وفاداری کی تاریخ روشن ہوجائے، اور تمہاری وفاداری بھی ہمارے فضل سے ہوگی، ہماری امداد سے ہوگی، وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صبر اللہ کی مدد کا محتاج ہے تو اُمت کہاں سے صبر لائے گی؟ لہٰذا غم کے موقع پر، اپنے کسی عزیز کے انتقال پر اللہ تعالیٰ سے صبر مانگنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے امتحان کے منصوص پرچے

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے مگر امتحان جو ہوگا بہت ہلکا ہوگا، بِشَیْءٍ میں جو تنوین ہے وہ تقلیل کے لئے ہے۔ شَیْءٍ کے معنی ہیں تھوڑا اور باء داخل کردیا جس کے معنی ہوئے کہ شے کا بھی کچھ جزو یعنی قلیل ترین، اور مِن بھی تبعیضیہ ہے یعنی بہت ہی ہلکا پرچہ ہوگا لہٰذا زیادہ گھبراؤ مت، اور کس چیز میں امتحان ہوگا؟ آگے پرچۂ مضمون بھی بتادیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امتحان لینے والا سوالات کو پہلے ہی سے بتادے تو بتائیے کہ کتنا آسان پرچہ ہے! اللہ تعالیٰ اپنے امتحان کے پرچوں کو بتارہے ہیں کہ فلاں فلاں مضامین میں تمہارا امتحان ہوگا، اور تفسیر روح المعانی میں ایک وجہ اور بیان فرمائی کہ مصیبتِ فجائیہ یعنی جو مصیبت اچانک آجاتی ہے وہ زیادہ محسوس ہوتی ہے، اور اگر معلوم ہوجائے کہ یہ مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لئے فیلڈ تیار ہوجاتی ہے، صبر آسان ہوجاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے آگاہ فرمادیا کہ فلاں فلاں مصیبت تم لوگوں کو آئے گی اور اِن اِن مصائب میں تمہارا امتحان ہوگا، تو پہلے سے علم ہوجانے سے پرچہ اور آسان ہوگیا۔ اسی لئے اکثر مریض کافی دن تک بیمار رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کے متعلقین دھیرے دھیرے اس مصیبت کے لئے تیار ہوجائیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ میرے ماں باپ یا قریبی عزیز چارپائی پر پیشاب پاخانہ کررہے ہیں تو جن کی موت سے ڈر رہا تھا، وہ خود ہی دعا مانگنے لگتا ہے کہ یا اللہ! میرے اماں ابّا کو یا بیوی کو یا شوہر کو یہ تکلیف نہ دیجئے، اب تحمل نہیں ہے کہ اگر زیادہ دن تک

فالج رہے گا تو اماں ابّا کی کھالیں سڑ جائیں گی، زخمی ہو جائیں گی اور تمام بدن سڑ جائے گا۔ کروٹ نہ لینے سے بدن سڑ جاتا ہے۔ یہ حرکت جو ہے اس میں ہماری حفاظت ہے، جو ہم چلتے پھرتے رہتے ہیں، اگر ایک طرح لیٹے رہیں تو کھال زخمی ہونے لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے امتحان کا پہلا پرچہ

تو اللہ تعالیٰ نے امتحان سے آگاہ فرمایا کہ **وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ** ہم تمہیں ضرور ضرور آزمائیں گے اور اس آزمائش اور امتحان کا پہلا پرچہ خوف ہے یعنی خوف میں ہم تمہارا امتحان لیں گے لیکن گھبرانا نہیں، یہ پرچہ بھی بہت آسان اور ہلکا ہوگا، یعنی بہت ہی قلیل خوف سے تمہاری آزمائش ہوگی جو دشمنوں سے یا نزولِ حوادث یا مصائب کی وجہ سے پیش آئے گا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **اَلۡمُرَادُ بِالۡخَوۡفِ خَوۡفُ الۡعَدُوِّ** خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے۔ (تفسیر روح المعانی: (رشیدیہ)؛ جلد ۲/ص ۵۷۵)

انبیاء علیہم السلام پر مصائب کی وجہ

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ** (سورۂ فرقان: آیت ۳۱) ہر نبی کے لئے ہم نے دشمن بنایا۔ یہ جعل تکوینی ہے انبیاء کی ترقیٔ درجات و تربیت کے لئے۔ پس جس کا کوئی دشمن نہ ہو سمجھ لو یہ شخص **عَلٰی مَنۡهَجِ النُّبُوَّةِ** نہیں ہے ورنہ اس کے بھی دشمن ہوتے اگرچہ امتی کا پرچہ نبیوں سے آسان ہوتا ہے کیونکہ بڑے لوگوں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی بلائیں اور تکلیفیں اُٹھائیں کہ طائف کے بازار میں آپ پر پتھر برسائے گئے اور آپ کے سرِ مبارک سے خون بہہ کر آپ کی نعلین مبارک میں بھر گیا، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جتنا میں ستایا گیا ہوں، کوئی نبی اتنا نہیں ستایا گیا: **اَنَا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً** (مسند ابی یعلی الموصلی: ج ۸ ص ۲۰۷؛ رقم ۴۷۶۹) کیونکہ آپ سید الانبیاء تھے ؎

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسی طرح صحابہ کو دشمن کا خوف رہتا تھا: **وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ** (سورۂ احزاب: آیت ۱۰)

یہاں تک کہ بعض وقت کلیجے منہ کو آ گئے، وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا اور سخت زلزلے میں ڈالے گئے، ان کو ہلا دیا گیا، لیکن پھر بھی وہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کہتے تھے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

اولیاء اللہ پر مصائب کی وجہ

تو بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا مقبول بناتا ہے، بڑے درجہ کی عزت دیتا ہے تو اس کو ذرا خوف سے بھی گذارتا ہے تاکہ اس کا دل مضبوط ہو جائے اور اتنا غم پہنچایا جائے کہ جب اس کو ساری دنیا میں عزت اور خوشی ملے تو اس کے سابقہ غم تکبر سے اس کی محافظت کریں، اس کی عبدیت کا زاویہ قائمہ نوّے ڈگری قائم رہے۔ ایسا نہ ہو کہ چاروں طرف سے واہ واہ ہو تو اس کی آہ ختم ہو جائے۔ جس متبع سنت بندے کو اللہ تعالیٰ بڑا رتبہ دینا چاہتے ہیں اس کو اتنا غم دیتے ہیں کہ اس کی آہ نہ باہ سے ضائع ہوتی ہے نہ جاہ سے ضائع ہوتی ہے اور نہ واہ واہ سے ضائع ہوتی ہے۔ سارا عالم اس کی تعریف کرے لیکن اس کی بندگی اور اس کی عاجزی، اس کی آہ وزاری، اس کی اشکباری ہمیشہ قائم اور تابندہ، درخشندہ اور پائندہ رہتی ہے۔ لہٰذا غم سے گھبرانا نہیں چاہیے، ایسے حالات سے اللہ تعالیٰ گذار دیتا ہے۔ دیکھو صحابہ کو خطاب ہو رہا ہے وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ جنگِ بدر وغیرہ میں کیسے کیسے مصائب گذرے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کو جو مصائب دیئے جاتے ہیں وہ ان کی بلندیٔ درجات کے لئے ہوتے ہیں، انبیاء کو عجب و کبر سے حفاظت کے لئے نہیں دیئے جاتے کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے، اخلاقِ رذیلہ اس کے اندر پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ انبیاء کے مصائب ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ درجات کے لئے ہوتے ہیں لیکن اولیاء اللہ کو خوف اور مصیبت جو پیش آتی ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عجب و کبر سے ان کی حفاظت رہے۔

امتحان کا دوسرا پرچہ

اور خوف کے بعد دوسرے امتحان سے آگاہ فرما رہے ہیں: وَالْجُوْعِ تمہارے امتحان کا دوسرا پرچہ بھوک ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (روح المعانی: (رشیدیہ)؛ جلد ۲ ص ۵۷۵)

فرماتے ہیں کہ یہاں بھوک سے مراد قحط ہے۔ اصل میں بھوک مسبب ہے، اس کا سبب قحط ہے لہٰذا اس کی تفسیر قحط سے کی کہ بارش نہیں ہوگی تو غلہ کم ہو جائے گا، اور روٹی نہیں ملے گی تو بھوک لگے گی تو یہ تَسْمِیَۃُ السَّبَبِ بِاسْمِ الْمُسَبَّبِ ہے، جسے بلاغت کے علم میں ''مجازِ مرسل'' کہتے ہیں۔ اس نبیٔ اُمّی کی زبان سے مجازِ مرسل کا استعمال جس نے کبھی مکتب کا منہ نہ دیکھا ہو، نہ مختصر المعانی پڑھی ہو، نہ مجازِ مرسل کا نام ہی سنا ہو، یہ دلیل ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے کلام نہیں بناتا۔ بکریاں چَرانے والا پیغمبر اپنی بلاغت سے تمام عالم کو عاجز کر رہا ہے۔ اس اُمّی کی زبان سے ایسا فصیح و بلیغ کلام جاری ہونا خود دلیل ہے کہ یہ نبی کا کلام نہیں بلکہ سینۂ نبوت پر کلام اللہ نازل ہو رہا ہے۔

امتحان کا تیسرا پرچہ

امتحان کا تیسرا پرچہ ہے: وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ کبھی کبھی تمہارے مال میں بھی نقصان ہوگا اور کس طرح سے ہوگا؟ کبھی تجارت میں گھاٹا ہوگا اور صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کبھی باغات میں پھل نہیں آئیں گے تو پھلوں کی کمی سے مال کی کمی ہو جائے گی۔

امتحان کا چوتھا پرچہ

اور چوتھا پرچہ ہے: وَالْاَنْفُسِ کبھی تمہارے پیاروں کی ہم جان لے لیں گے یعنی اِنَّ ذِهَابَ الْاَحِبَّةِ بِسَبَبِ الْقَتْلِ وَالْمَوْتِ (روح المعانی: (رشیدیہ)؛ جلد ۲ ص ۵۷۵) کسی کا قتل ہوگا، کسی کو موت آئے گی، اس طرح اللہ کی طرف سب کو جانا ہوگا، موت چاہے قتل سے ہو یا طبعی ہو، کبھی تمہارے پیارے اُٹھائے جائیں گے تو اس میں بھی تمہارا امتحان ہوگا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پرچہ آؤٹ کر کے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا کہ یہ مصیبت اچانک نہیں ہوگی کیونکہ ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ان مضامین میں تمہارا امتحان ہوگا۔ اچانک مصیبت زیادہ محسوس ہوتی ہے اور اگر پہلے ہی بتا دیا جائے کہ یہ مصیبت آنے والی ہے تو آدمی اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور پھر بتانے والا بھی اللہ ہے، جہاں تخلف نہیں ہوسکتا، جہاں جھوٹ کا امکان نہیں ہے۔

امتحان کا پانچواں پرچہ

اور پانچواں امتحان ہے: **وَالثَّمَرٰتِ** اور کبھی اللہ تعالیٰ پھلوں کی کمی سے تمہیں آزمائیں گے۔ یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس سے مراد اولاد کا انتقال ہے کہ ماں باپ کے لئے اولاد مثل پھل کے ہے۔ بہر حال ظاہر تفسیر یہی ہے کہ باغات میں پھل نہیں آئیں گے۔

مصیبت اور لفظ ''بشارت'' کا ربط

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ** اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے، خوشخبری سنا دیجئے۔ کیوں صاحب! اگر مصیبتیں، بلائیں اور تکالیف بُری چیز ہیں تو کیا بُری چیز پر بھی بشارت دی جاتی ہے؟ کسی کو تکلیف ہو اور آپ کہیں ''مبارک ہو'' تو اس کو کس قدر غم ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس امتحان میں جب کوئی مبتلا ہو تو آپ بشارت دے دیجئے، کس کو بشارت دیجئے؟ صبر کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ مومن کے لئے مصیبت اگر بُری چیز ہوتی تو یہاں اللہ تعالیٰ لفظ بشارت نازل نہ فرماتے اور بشارت دینے والا ارحم الراحمین ہے اور جس کے ذریعہ بشارت دلا رہے ہیں وہ رحمۃ للعالمین ہے یعنی سب سے بڑے پیارے نے مخلوق میں سب سے بڑے پیارے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بشارت دلوائی ہے لہٰذا یہ بشارت بھی کتنی پیاری ہے۔ یہ بشارت دلیل ہے کہ یہ مصیبت زحمت نہیں رحمت ہے، نعمت ہے اور کوئی عظیم الشان چیز ملنے والی ہے، جیسے کوئی کسی سے موٹر سائیکل چھین لے اور مرسڈیز دے دے تو بتائیے کیا یہ مصیبت ہے؟ پس مصیبت مومن کے لئے بُری چیز نہیں کیونکہ صبر کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کو مل جاتے ہیں ''متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے''، پس صبر اتنی بڑی نعمت ہے کہ جس پر معیتِ الٰہیہ کا انعامِ عظیم ملتا ہے۔

صاحبِ غم اللہ کی راہ جلد طے کر لیتا ہے

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالتِ حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد

اور تیزی سے طے ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے،اس حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ جتنا جلد صاحبِ حزن اللہ تعالیٰ کی راہ کو طے کرتا ہے اتنا جلد غیر صاحبِ حزن طے نہیں کرسکتا۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کو بھی حزن میں مبتلا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کے لئے ارشاد فرمایا: وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ یہ جملہ حالیہ معرضِ تعلیل میں ہے جس میں ذوالحال یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں بسبب ان کے غم سے گُھٹنے کے، وہ غم کو دل ہی دل میں دبا رہے تھے اور غم سے گُھٹ رہے تھے۔حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا بطورِ معجزہ واپس آنا بھی قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ارشاد فرمایا فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا (سورۂ یوسف: آیت ۹۶) جب خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ''ٹکا ٹک'' دیکھنے لگے۔

ایمان صبر سے اور صبر تعلق مع اللہ سے قائم رہتا ہے

ارشاد فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (سورۂ آل عمران: آیت ۲۰۰) میں تین چیزیں ہیں، ایمان، صبر اور رابطہ۔اس آیت کی ترتیب بتا رہی ہے کہ ایمان قائم نہیں رہ سکتا جب تک صبر نہ ہو، اور صبر قائم نہیں رہ سکتا جب تک حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ نہ ہو۔ایمان میں قوت آتی ہے صبر سے اور صبر میں قوت آتی ہے رابطہ سے۔ ربط کے معنی عربی میں باندھنے کے ہیں، جو کشتی لنگر سے بندھی ہوتی ہے، بڑے بڑے طوفان اس کی استقامت کو ہلا نہیں سکتے۔ اسی طرح جو دل خدا کے ساتھ بندھا ہوا ہو، کوئی طوفانِ حوادث اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ خدا سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہوسکتا۔پس جب ایسی قوی ذات سے رابطہ جس دل کا ہوگیا اس کا صبر بھی عظیم ہوتا ہے۔

پھر کوئی سوسائٹی اور کوئی معاشرہ، کوئی مصیبت وغم اس کو خدا سے دور نہیں کر سکتے، اور رابطہ قوی ہوتا ہے ذکر سے، جب ذکر کی کیفیت یا کمیت میں کمی ہوجاتی ہے، تو اللہ سے رابطہ بھی ضعیف ہوجاتا ہے اور پھر صبر بھی کمزور ہوجاتا ہے۔ پھر معمولی معمولی مصیبت کا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے اور کمر ٹوٹ جاتی ہے، اور گناہ سے بھی رابطہ کمزور ہوجاتا ہے جیسے قے کے ساتھ پیچش بھی لگ جائے، اس پر جب مصیبت آتی ہے تو صبر ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

اہلِ میت سے تعزیت کرنا ان کی تسلی کا باعث ہے

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾

(سورۃ البقرۃ: آیات ۱۵۵، ۱۵۶)

ارشاد فرمایا کہ جس کے یہاں کوئی صدمہ اور غم پہنچ جائے وہاں حاضر ہونا اور کچھ تسلی کے کلمات پیش کرنا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنت قرار دیا ہے۔ تعزیت کے معنی ہیں تسلی دینا۔ اس لئے تعزیت سنت ہے اور سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ غمزدہ دلوں پر سکون و تسلی کا مرہم عطا فرماتے ہیں۔ ایسے وقت میں لوگوں کو تسلی دینے سے اگر نفع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو مسنون نہ فرماتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے وہی کام تجویز فرماتے ہیں جس میں ان کے بندوں کا فائدہ ہو۔ شریعت کے جتنے احکام ہیں سب میں ہمارا ہی فائدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت کا محتاج نہیں۔ اگر ساری دنیا ولی اللہ ہوکر، یورپ کے تمام کافر ممالک امریکہ، روس، جرمن، جاپان وغیرہ ساری دنیا کے سلاطین مع رعایا مسلمان ہوکر سجدے میں گر جائیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہوگا۔ ان کی شان میں ہمارے سجدوں سے، ہماری عبادتوں سے اضافہ نہیں ہوتا اور اگر ساری دنیا بغاوت کر جائے، مان لیجیے کہ دنیا میں ایک مومن بھی نہ رہے تو اللہ کی عظمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ پاک کی عظمتِ شان ہماری عبادتوں سے اور بغاوت سے بے نیاز اور بالاتر ہے۔ سبحان اللہ! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

من نگردم پاک از تسبیح شاں

کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں میں اپنے بندوں کے سبحان اللہ کہنے اور پاکی بیان کرنے سے پاک تھوڑا ہی ہوتا ہوں، میں تو پہلے ہی سے پاک ہوں، بلکہ ؎

پاک ہم ایشاں شوند و در فشاں

جو سبحان اللہ کہتے ہیں اور میری پاکی بیان کرتے ہیں اس کی برکت سے میرے وہ بندے خود پاک ہوجاتے ہیں۔ جب تم کہتے ہو سبحان اللہ کہ اللہ پاک ہے تو ہماری پاکی بیان کرنے کے صدقے میں تم خود پاک ہوتے ہو۔ تم ہمیں کیا پاک کروگے، ہم نے تمہیں منی سے پیدا کیا، ناپاک قطرہ سے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحم فرماتے ہوئے ایسے وقت ایک دوسرے کے گھر جانا اور تسلی دینا سنت قرار دے دیا۔ تعزیت کے اندر یہ راز ہے کہ اس سے تسلی ہوتی ہے کیونکہ جس کی ماں یا باپ یا کوئی عزیز مرتا ہے اس کے قلب پر ایک زخم ہوتا ہے اور تسلی دینے سے اس میں کمی آتی ہے۔ تسلی دینے سے تسلی ہوتی ہے جیسے زخم پر کوئی مرہم رکھ دے، اور تسلی (تعزیت) کو تین روز تک کے لئے سنت قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین دن کے بعد غم گھٹنے لگتا ہے، تین دن تک غم اپنے جوش پر ہوتا ہے لہٰذا تین روز تک تسلی دینا سنت ہے، اس کے بعد مسنون نہیں۔ تین دن کے بعد یہ غم آہستہ آہستہ ہلکا ہوتے ہوتے سال دو سال کے بعد آپ کو یاد بھی نہیں آئے گا کہ دل پر کیا سانحہ گذرا تھا، تصور میں تو آئے گا کہ میری ماں نہیں ہے لیکن ایسا غم نہیں ہوگا جیسا اس وقت تھا۔ تقریباً پندرہ سال پہلے میری والدہ کا جب انتقال ہوا تو مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ ان کی کوئی چیز دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ان کی چارپائی دیکھ کر، ان کا پاندان دیکھ کر دل رونے لگتا تھا۔ لہٰذا میں نیک دوستوں میں دل بہلانے کے لئے ٹیکسلا چلا گیا لیکن آج غم کا کوئی ایک ذرّہ معلوم نہیں ہوتا۔ بس ایک ہلکا سا خیال ماں باپ کا تو ہوتا ہی ہے، ماں باپ کی محبت کو تو کوئی شخص بھول سکتا ہی نہیں۔ تو غم کے موقع پر صالحین کی صحبت میں رہا جائے اور اللہ کا نام لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل کو غم پروف کر دیتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت جب کسی پر ہوتی ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ میں اس بندے کو خوش رکھوں تو دنیا کے حوادث اس کو غمگین نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو غم پروف کر دیتا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں ہر وقت مست و شاد رہتا ہے، جتنے بھی غم ہیں، وہ اس کے دل کے باہر ہی باہر رہتے ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ بعض بزرگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بھی تو لڑکے مرتے ہیں، ان کی بیوی کو بھی تو بخار چڑھتا ہے، وہ خود بھی بیمار ہوتے ہیں، کبھی روتے بھی ہیں تو پھر ان کے دل میں چین کہاں رہا؟ اللہ کا تو یہ وعدہ ہے کہ اطمینانِ قلب ملتا ہے اللہ کی یاد سے، اور یہ لوگ اللہ کی یاد والے ہیں، پھر یہ کیوں روتے ہیں؟ اس کا جواب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں کہ جب کسی اللہ والے متقی کو دیکھو کہ وہ رو رہا ہے، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، بخار سے، بیماری سے، یا بچوں کی تکلیف سے تو یہ نہ سمجھو کہ اس کا دل بھی پریشان ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دل میں سکون و اطمینان رکھتا ہے۔ یہ آنسو دیکھنے میں ہیں، پریشانی کے نہیں ہیں، جیسے کوئی شامی کباب کھا رہا ہو، اس میں خوب ہری ہری مرچ ہو، جسے کھا کر اس کے آنسو بہہ رہے ہیں، زبان سے سی سی بھی کر رہا ہے تو اس کا دوست کہتا ہے کہ آپ مجھے پریشانی میں معلوم ہو رہے ہیں، آپ رو بھی رہے ہیں، تکلیف سے آواز بھی سی سی کی نکال رہے ہیں، کیا آپ کوئی بلا کھا رہے ہیں؟ لائیے! یہ کباب مجھے دے دیجئے، ارے! میں بھی آپ کا دوست ہوں ۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست

یعنی اصلی دوست وہ ہے جو مشکل وقت میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ لے، لیکن ایسے نہیں جیسے ایک شخص کے دوست کو اس کا دشمن مار رہا تھا تو اس نے جا کر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جسے اس کا دشمن مار رہا تھا، بس پھر تو اس کے دشمن نے خوب پٹائی کی، جب وہ پِٹ کر واپس آیا تو اپنے دوست کو خوب مارا کہ تم نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے،

مجھے اپنا دفاع بھی نہیں کرنے دیا۔تو اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کی مدد کی تھی، اس نے کہا وہ کیسے؟ تو جواب دیا کہ میں نے بچپن میں پڑھا تھا کہ ''دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست''، یعنی دوست وہ ہے جو دوست کا ہاتھ پکڑ لے۔تو اس نے کہا کہ تم نے اس شعر کا مطلب نہیں سمجھا۔ارے دوست کا ہاتھ پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ تم اس کی مدد کرو، اگر وہ گر رہا ہو تو اسے سہارا دو، دوست گڑھے میں گر رہا ہے تو اس کا ہاتھ پکڑلو، یہ معنی تھوڑی ہیں کہ کوئی اسے مار رہا ہو تو اس کے ہاتھ پکڑلو تاکہ وہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکے۔

خیر! تو اس نے کہا کہ دوست وہ ہے جو مشکل میں دوست کا ہاتھ پکڑ لے یعنی اس کی تکلیف اپنے اوپر لے لے، میں آپ کا دوست ہوں، لایئے! یہ بلا مجھے دے دیجئے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ بلا نہیں ہے، یہ آنسو پریشانی کے نہیں ہیں، یہ آنسو مزے کے ہیں، عیش کے ہیں، لطف کے ہیں۔اسی طرح اللہ کے مقبول بندوں کی بیوی بیمار ہوگئی یا بچہ بیمار ہوگیا یا کوئی اور تکلیف آگئی تو ان کے دل میں تکلیف نہیں ہوتی، جیسے واٹر پروف گھڑی کو پانی میں رکھ دو پھر بھی پانی اس کے اندر نہیں گھستا۔اسی طرح اللہ والوں کا دل بھی غم پروف ہوتا ہے۔اس پر میرا ایک شعر سنئے ؎

زندگی پُرکیف پائی گرچہ دل پُرغم رہا

ان کے غم کے فیض سے میں غم میں بھی بے غم رہا

غموں میں اہل اللہ کے خوش رہنے کو میں نے ایک اور شعر میں اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

صدمہ و غم میں مرے دل کے تبسم کی مثال

جیسے غنچہ گھرے خاروں میں چٹک لیتا ہے

اگر کلیوں کو یہ نعمت مل سکتی ہے کہ وہ کانٹوں میں کھل جائیں تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے خاص بندوں کے قلوب کو تسلیم و رضا کی برکت سے عین غم کی حالت میں خوش نہیں رکھ سکتا؟ میرا ایک اور شعر ہے ؎

اس خنجرِ تسلیم سے یہ جانِ حزیں بھی	ہر لحظہ شہادت کے مزے لُوٹ رہی ہے

جس حالت میں اللہ رکھے، بندے کا کام ہے کہ راضی رہے۔ پھر ان شاء اللہ! تسلیم و رضا کی برکت سے وہ ہر حال میں خوش رہے گا۔ یہ تسلیم و رضا بہت بڑی چیز ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ بتاؤ! اخلاص سے اونچا کیا مقام ہے؟ میرے شیخ نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے نہیں معلوم، فرمایا ''تسلیم و رضا''، اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہنا، اس تسلیم سے بہت بڑا انعام ملتا ہے۔

حوادث کے وقت اولیاء اللہ کے قلوب کو فرشتے سہارا دیتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾

(سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیۃ ۳۱)

ترجمہ: ہم تمہارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں بین القوسین فرماتے ہیں کہ فرشتے دنیا میں اللہ والوں کے ساتھ کس طرح رہتے ہیں؟ کیا کام کرتے ہیں؟ فرماتے ہیں وہ نیکیوں کا الہام کرتے ہیں، اور حوادث میں صبر اور سکینہ نازل کرتے ہیں، دنیا میں اللہ والوں کو جب کوئی صدمہ اور غم پیش آتا ہے تو فرشتے ان کے دل کو سہارا دیتے ہیں، ہارٹ فیل نہیں ہونے دیتے، بدحواس و پاگل بھی نہیں ہونے دیتے اور خودکشی بھی نہیں کرنے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں کسی ولی اللہ سے خودکشی ثابت نہیں ہے جبکہ آج کل کے ترقی یافتہ سمجھے جانے والے ماڈرن ممالک یورپ، امریکہ، اسپین وغیرہ سے اگر خودکشی کی رپورٹ منگوائیے تو معلوم ہوجائے گا کہ سب سے زیادہ خودکشیاں وہیں ہوتی ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا صبر

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا جوانی میں انتقال ہوا تو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ جا کر حضرت کو کچھ تسلی دوں لیکن تسلی کیا دوں، وہ تو خود ہی صبر کئے بیٹھے تھے۔ اسی طرح جب قصبہ دیوبند میں طاعون پھیل گیا تھا تو حضرت

حکیم الامت کے استاد حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ایک وقت میں سات جنازے رکھے تھے۔سوچئے آپ! گھر میں سات جنازے تھے اور جنازے بھی کس کے؟ خاص خاندان والوں کے جیسے بیٹا، بہو، بیٹی وغیرہ اس قسم کے قریبی رشتہ کی میتیں رکھی تھیں۔حضرت حکیم الامت تعزیت کے ارادے سے اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ دیکھوں! حضرت کی اس صدمہ میں کیا حالت ہے؟ کچھ رو رہے ہیں،کوئی آہ وزاری کررہے ہیں،کس کیفیت میں ہیں؟لیکن فرماتے ہیں کہ مجھے ہمت نہیں ہوئی یہ کہوں کہ حضرت! صبر کیجئے۔اگر میں یہ کہتا ہوں کہ صبر کیجئے تو استاد صاحب تو پہلے ہی سے صبر کئے بیٹھے ہیں اور اگر میں یہ کہتا ہوں کہ روئیے نہیں تو پہلے ہی رو نہیں رہے ہیں،توفرمایا میں چپ کھڑا تھا اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس صدمہ اور غم کی حالت میں کہ گھر میں سات جنازے رکھے تھے،وضو کرتے ہوئے مثنوی کا ایک شعر پڑھ رہے تھے ۔

در کف شیر نر خونخوارۂ	جز بہ تسلیم و رضا کو چارۂ

ترجمہ: میں تقدیرِ الٰہی کے خونخوار پنجے میں جکڑا ہوا ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے بجز تسلیم ورضا کوئی راستہ نہیں ہے۔اللہ کی مرضی پر راضی رہنے کے سوااور کوئی راستہ نہیں، ان سے ناراض ہوکر ہم کیا کرلیں گے،اپنی ہی بگاڑ لیں گے،لہٰذا اس مالک سے راضی رہنے میں ہی فائدہ ہے۔

ان سات جنازوں میں ان کے جوان بیٹے کا جنازہ بھی تھا اور بقرعید کا دن تھا، بیٹے پر نزع کا عالم طاری تھا،انہوں نے فرمایا کہ جاؤ! اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور عید کی نماز پڑھانے چلے گئے۔یہ بھی نہیں کہا کہ میں آج عید کی نماز پڑھانے کے قابل نہیں ہوں، امامت کے قابل نہیں ہوں،آج نماز کوئی اور آدمی پڑھادے۔یہ صبر وضبط اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو دیتا ہے،وہ گھبرا کر کبھی خودکشی نہیں کرتے اور نہ ہی کبھی بدحواس ہوتے ہیں، ان کے آنسو تو نکلتے ہیں لیکن بزبانِ حال یا بزبانِ قال جگر شاعر کے استاد اصغر گونڈی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر بھی پڑھتے ہیں ۔

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

ایک دیہاتی بزرگ کی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تسلی

ارشاد فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو بہت لوگوں نے تعزیت کی لیکن ایک بدو (دیہاتی) بزرگ آئے اور انہوں نے ایسی تعزیت کی جس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت تسلی ہوئی۔

وَاللّٰہُ خَیْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ	وَ خَیْرٌ مِّنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَہٗ

انہوں نے کہا کہ اے عبداللہ ابن عباس! تمہارے والد کا انتقال ہو گیا، یہ بتاؤ کہ تمہارے والد کے لئے تم زیادہ بہتر ہو یا عباس کا اللہ زیادہ بہتر ہے؟ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہاں سے رخصت ہو کر عالمِ آخرت میں پہنچے، جن پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعام واکرام ہو رہے ہیں، اب آپ بتلائیے کہ آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے زیادہ بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ کے انعامات؟ جواب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات۔ دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ عباس کی وفات پر صبر کرنے پر آپ کو اَجر ملے گا، غور کیجئے اَجر یعنی خوشنودیٔ باری تعالیٰ زیادہ بہتر ہے یا عباس کا آپ کے پاس رہنا؟ جواب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا بہتر ہے۔

عجب تسلی کا مضمون ان کے منہ سے نکلا۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ابّا کے لئے رو رہے ہو اور تمہارے ابّا اپنے ربّا کے پاس چلے گئے جو ارحم الراحمین ہے، پس ان کا رب تم سے بہتر ہے، اور ان کی جدائی پر صبر کے بدلہ میں تمہیں یہاں دنیا میں اللہ مل گیا (اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ) اور اجر و ثواب ملا تو یہ انعام تمہارے لئے تمہارے ابّا سے بہتر ہے، اور جدائی بھی عارضی ہے۔ سب چند دن کی باتیں ہیں، پھر سب کو وہیں جانا ہے، وہاں سب سے پھر ملاقات ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

والدین کی جدائی کے غم کا علاج

ارشاد فرمایا کہ جس کے ماں باپ نہ ہوں وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرے

اور نیک عمل کرے تو وہ دعائے مغفرت سے ان شاء اللہ جنت میں رہیں گے اور آپ نیک عمل سے جنت میں ان سے جا کر ملیں گے، یہ ہے علاجِ غم اور علاجِ جدائی۔ جدائی کا علاج بھی نیک عمل اور دعائے مغفرت ہے۔ اپنے ماں باپ کے لئے ایصالِ ثواب کریں، ان کا انتقال ہوا ہے، وہ مرے نہیں ہیں جیسے کراچی سے لاہور منتقل ہو گئے، اِس عالم سے اُس عالم میں منتقل ہوئے ہیں لہٰذا وطنِ اصلی جو لوگ گئے، وہیں ایک دن ہم لوگ بھی جائیں گے۔ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہونے لگا تو ان کو اپنے حال سے پتا چل گیا تو ایک شعر اپنی ڈائری میں لکھ دیا تا کہ بعد والوں کو زیادہ غم اور پریشانی نہ ہو، کچھ ان کی تسلی ہو جائے، وہ شعر یہ تھا ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہرؔ مر گیا
اور مظہرؔ درحقیقت گھر گیا

لوگ رو رہے ہیں کہ ابّا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اور ہم تو اپنے گھر جا رہے ہیں، ہمارا تو گھر اصلی وہی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا عشق حاصل کرو، اللہ کی محبت حاصل کرو تو ایسی مزیدار موت آئے گی کہ آپ شاداں وفرحاں مسکراتے ہوئے جائیں گے اور بزبانِ حال پڑھیں گے ؎

خرّم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

کیا مبارک وہ وقت ہوگا جب میں اس منزلِ ویراں سے اللہ کی طرف روانہ ہوں گا اور اپنی جاں کا آرام پاؤں گا اور محبوبِ حقیقی سے ملوں گا۔ بعض اولیاء اللہ کے مسکرانے کا اثر روح نکلنے کے بعد بھی دیکھا گیا چونکہ روح نکلتے وقت مسکرائے تو وہ مسکراہٹ باقی رہ گئی اور روح چلی گئی کیونکہ ان کو یقین تھا کہ میں اپنے مولیٰ کے پاس جا رہا ہوں۔

عزیزوں کا وفات پانا رحمت کیسے ہے؟

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گھر میں کسی کی موت آ جانا یہ بھی اللہ کی رحمت ہے، اس لئے کہ آج آپ اپنی اماں کے انتقال کو نہیں چاہتے، دل سے یہی چاہتے ہیں

کہ میری اماں ابھی کچھ دن اور زندہ رہتی۔ تو آپ کی اماں بھی یہی چاہتی کہ میری اماں بھی نہ مریں یعنی نانی، اور نانی بھی یہی چاہتی کہ میری اماں بھی نہ مریں تو اگر سب کی آرزو اللہ پوری کردیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک گھر میں زیادہ نہیں، صرف پانچ نانا اور پانچ نانیاں لیٹی ہوں اور پانچ دادے اور پانچ دادیاں لیٹی ہوں۔ کوئی پانچ سو برس کا ہے، کوئی تین سو برس کا، سب کے چارپائی پر پاخانے ہو رہے ہیں تو آپ نہ تو نوکری کرسکتے نہ اپنے بال بچوں کی پرورش کرسکتے۔ یہ ہمارے دوسو چالیس گز کے پلاٹ کیا، ارے! ہزار گز کے پلاٹ بھی ناکافی ہوجاتے۔ پھر آپ تعویذ دباتے اور دعائیں کرتے کہ یہ جلدی سے مریں۔ اس لئے یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے وقت پر پردیس سے وطنِ اصلی کی طرف منتقل فرماتے رہتے ہیں، جب بال سفید ہوگئے سمجھ لو کھیتی پک گئی اور کھیتی پک جانے کے بعد کسان کھیت میں نہیں چھوڑتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بال سفید ہوجائیں تو ہوشیار ہوجاؤ کہ تمہاری زندگی کی کھیتی پک چکی ہے لہٰذا تیار رہو، اب کسی بھی وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام درانتی لے کر آئیں گے اور تمہاری زندگی کی کھیتی کاٹ لیں گے۔ مولانا رومی کا بھی کیا اندازِ بیان ہے! فرماتے ہیں کہ جلدی جلدی تیاری کرلو، کٹائی کا وقت قریب آچکا ہے۔

اہلِ میت کے ذمہ دو کام ہیں

اب سنئے کہ جس کے گھر میں کوئی غمی ہوجائے تو ایسے وقت میں اس کے ذمہ دو کام ہیں: (۱) ایک تو یہ کہ جانے والے کے لئے ثواب پہنچائے کیونکہ جو چلا گیا اب وہ بے عمل ہوگیا۔ اس کی عمل کی فیلڈ ختم ہوگئی۔ اب وہ خود کوئی عمل نہیں کرسکتا لہٰذا اس کو صبح و شام ثواب کا پارسل بھیجنا چاہیے یعنی زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کیجئے۔ بدنی عبادت اور مالی عبادت دونوں کا ثواب پہنچانا چاہیے۔ بدنی ثواب تو اس طرح سے کہ تلاوت کرلی مثلاً سورۂ یٰسین پڑھ کر بخش دیا یا تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر ہمیشہ صبح و شام بخش دیا۔ تین بار قل ہو اللہ پڑھنے سے ایک قرآن کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اللہ سے کہہ دیا کہ یا اللہ! یہ جو میں نے پڑھا ہے، اس کا ثواب میری والدہ کو، یا میرے ابّا کو، شوہر کو، بیوی کو پہنچا دیجئے۔

اس طرح روز کا روز صبح شام آپ کی طرف سے ثواب کا پارسل پہنچتا رہے گا۔حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ ثواب پہنچتا ہے تو وہ مرنے والے پوچھتے ہیں کہ اے اللہ میاں! یہ ہماری نیکیاں کہاں سے بڑھ رہی ہیں، ہم تو مر گئے ہیں، اب عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری اولاد تمہیں ثواب بھیج رہی ہے،(یا والدین یا بھائی بہن، دوست، مرید ثواب بھیج رہے ہیں۔) دیکھئے! زمین پر دوسروں کا عمل اور آخرت میں مرنے والوں کے اعمال نامہ میں لکھا جارہا ہے،اس طرح ان کے عمل کا میٹر چل رہا ہے کیونکہ اب وہ عمل نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے پارسلوں کا انتظار کرتے ہیں کہ ہماری اولاد، محبین ہمیں کچھ بھیجیں:

((كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ))

(مشکوٰۃ المصابیح:(قدیمی)؛باب الاستغفار والتوبۃ؛ص ۲۰۶)

اور حدیث شریف میں ہے کہ یہ ثواب کا تحفہ ان کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا ہے،(نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ زمین والوں کا اہلِ میت کے واسطے دعائے مغفرت کرنا اس کی برکت سے مرنے والوں کو ان کی قبروں میں پہاڑوں کے مثل ثواب پہنچتا رہتا ہے۔)

(۲) دوسرا کام ان کے جانے کے بعد پسماندگان کو یعنی رہ جانے والوں کو سبق حاصل کرنا ہے کہ آج ان کی اور کل ہماری باری ہے، ایک دن آئے گا کہ اسی طرح ہم بھی اس دنیا سے جارہے ہوں گے۔آج کل تو ایمرجنسی ویزے آرہے ہیں، اس لئے دوستو! اپنے پیاروں کے انتقال سے ہم سب کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ ایک دن ہم کو بھی زمین کے نیچے جانا ہے۔مردہ جب قبر کے اندر جاتا ہے تو زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو! شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

اور بزبانِ حال دوسرا شعر بھی پڑھتا ہے ؎

ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو	دبا کے قبر میں سب چل دیئے دعا نہ سلام

جن ماؤں نے ہمیں مرمر کے پالا تھا، انہیں ماؤں پر آج ہم نے خدا کے حکم سے مٹی ڈالی ہے۔ یہ دن سب کو آنا ہے۔ اس لئے اس سے سبق حاصل کریں یعنی جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے تیاری کریں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر رکھیں اور ناراضگی والے اعمال سے بچنے میں جان لڑادیں۔

سنتِ استرجاع (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ)، ایک امتیازی نعمت

((قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اُعۡطِیَتۡ اُمَّتِیۡ شَیۡئًا لَّمۡ یُعۡطَہٗ اَحَدٌ مِّنَ الۡاُمَمِ اَنۡ تَقُوۡلَ عِنۡدَ الۡمُصِیۡبَۃِ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ وَلَوۡ اُعۡطِیَہَا قَبۡلَہُمۡ لَاُعۡطِیَہَا یَعۡقُوۡبُ اِذۡ یَقُوۡلُ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ۔ رواہ الطبرانی))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛سورۃ البقرۃ؛ ج ۲ص ۵۷۶)

ارشاد فرمایا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت کو ایک ایسی چیز دی گئی جو سابقہ امتوں میں سے کسی اُمت کو نہیں دی گئی اور وہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت تم اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کہو، اگر پہلے کسی کو یہ نعمت دی جاتی تو سب سے زیادہ حق حضرت یعقوب علیہ السلام کا تھا کہ جب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوگئے تو اس وقت وہ کہتے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ لیکن چونکہ یہ نعمت کسی نبی کو نہیں دی گئی، اس لئے بیٹے کے گم ہونے پر آپ کو جو غم پہنچا تو آپ نے کہا: یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ ہائے یوسف افسوس! لہٰذا ہم سب کو اپنی قسمت پر شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں وہ نعمت دی جو پچھلی امتوں میں کسی کو بھی نہیں دی۔ اس اُمت کو اِنَّا لِلّٰہِ مابہ الامتیاز نعمت ہے جو سارے عالم میں ہمیں امتیازی شرف دیتی ہے، اممِ سابقہ سے ممتاز کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے کرم ہمیں عطا ہوئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کی تفہیم کے لئے ایک آسان مثال

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان ایک الماری کا مالک ہو جس کے دو خانے ہوں۔ اس نے نیچے کے خانے میں ایک درجن پیالیاں رکھ دیں

اور دو سال کے بعد نوکر سے کہا کہ نیچے کے خانے کی دو پیالیاں اُٹھا کر اوپر کے خانے میں رکھ دو تو نوکر نے کہا کہ حضور! آپ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ دو سال سے تو یہ ساتھ تھیں۔ فرمایا کیوں مت لگا بے وقوف! الماری میری، دونوں خانے میرے اور ان خانوں میں جو پیالیاں ہیں وہ بھی میری، سب کا میں مالک ہوں، مالک کو حق ہے کہ اپنی چیز کو جہاں چاہے رکھے۔ نوکر نے کہا: اچھا حضور! یہ بات تو سمجھ میں آ گئی، میں اوپر ہی رکھ دیتا ہوں لیکن نچلی الماری کے خانے میں باقی دس پیالیاں جو ہیں، وہ سب دو پیالیوں کی جدائی سے غمگین ہیں اور رو رہی ہیں، آپ مالک ہیں، آپ کو تصرف کا حق حاصل ہے مگر ان کے غم کا کیا مداوا ہے؟ مالک نے کہا: بے وقوف! نیچے کے خانے میں کوئی نہیں رہے گا، سب کو یکے بعد دیگرے ہم اوپر رکھنے والے ہیں۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کی ایک الماری ہے، اس کا ایک خانہ آسمان کے نیچے ہے، یہ دنیا ہے اور دوسرا خانہ آسمان کے اوپر ہے، وہ آخرت ہے۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتے ہیں ہمیں نیچے کے خانے میں رکھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اوپر کے خانے میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ ہے تفسیر ''اِنَّا لِلّٰہِ'' کی کہ ہم اللہ کے ہیں، ان کی ملکیت ہیں، اس لئے ان کو ہم پر ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آں کہ جاں بخشد اگر بکشد رواست۔ جو جان دیتا ہے وہ اگر قتل بھی کردے یعنی جان کو واپس لے لے تو اس کے لئے بالکل روا ہے کیونکہ جان بھی تو اسی نے دی تھی، جو جان دے سکتا ہے، وہ جان لے بھی سکتا ہے، اور ''وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ'' میں اللہ تعالیٰ نے تسلی بھی دے دی کہ یہ جدائی عارضی ہے، تم لوگ بھی یکے بعد دیگرے ہمارے پاس آنے والے ہو، جہاں تمہارے بچھڑے ہوئے عزیزوں سے بھی دوبارہ ملاقات ہوجائے گی اور پھر کبھی جدائی نہ ہوگی۔

حقیقی صبر کیا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ صبر صرف زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے کا نام نہیں بلکہ صبر زبان سے بھی ہو اور قلب سے بھی ہو،

سنتِ استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے کی سنت حقیقی معنوں میں اس وقت ادا ہوگی جب زبان کے ساتھ دل بھی شامل ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں، ملکیت ہیں، مملوک ہیں اور مالک کو اپنی مِلک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کو جہاں چاہے رکھے اور جب تک چاہے رکھے اور جہاں چاہے اُٹھا کر رکھ دے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ان دو جملوں سے بڑھ کر کائنات میں صبر کا کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا۔ مصیبت میں اس کلمہ سے زیادہ مفید و لاجواب موتی کا کوئی مفرح خمیرہ نہیں پیش کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے جو اُن سے کہیں زیادہ ہیں جو حق تعالیٰ نے واپس لی ہیں، اس سے صبر کرنا آسان ہوگا اور تسلیم کی شان پیدا ہوگی۔

صبر پر تین عظیم الشان بشارتیں

رہا جدائی کا غم ہونا تو یہ طبعی بات ہے اور رحمت کا تقاضا ہے۔ اور اس غم پر تو بہت بڑی بشارت دی جارہی ہے، وہ کیا بشارت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ ۟ قف وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ۝﴾ ۔ (سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۵۷)

جو مصیبت کے وقت صبر سے رہتے ہیں، اللہ سے راضی رہتے ہیں تو ان پر ان کے رب کی طرف سے خاص خاص رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ صلوٰۃ کے کئی معنی ہیں۔ جب بندے کے لئے کہا جائے کہ صلوٰۃ پڑھ رہے ہیں تو صلوٰۃ کے معنی نماز کے ہیں، اور جب دعا مانگ رہا ہو تو صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ کی نسبت جب مخلوق کی طرف کی جائے گی تو مراد ہے نماز اور دعا، اور جب اللہ کی طرف نسبت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ بھیج رہا ہے تو وہاں مراد نزولِ رحمت ہے۔

پہلی بشارت...رحمتِ خاصہ

صلوات جمع ہے صلوٰۃ کی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صلوات سے مراد خاص خاص رحمتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں پر خاص خاص رحمتیں نازل

فرمائے گا لیکن آگے **وَرَحْمَةٌ** نازل فرما کر بتادیا کہ میں رحمتِ عامہ سے بھی اپنے صبر کرنے والے بندوں کو محروم نہیں کروں گا۔ یہ تعمیم بعد التخصیص ہے کہ صابرین پر خاص خاص رحمتیں تو اللہ برسائے گا ہی مگر رحمتِ عامہ بھی دے گا یعنی رحمتِ خاصہ کے آبشار کے تسلسل کے ساتھ رحمتِ عامہ بھی ملے گی، پے در پے صلوات اور رحمت پہ رحمت نازل ہوگی۔

دوسری بشارت ... رحمتِ عامہ

اور جو بعد میں **وَرَحْمَةٌ** ہے اس سے رحمتِ عامہ مراد ہے اور اس کی وجہ حضرت نے عجیب بیان فرمائی کہ چونکہ حکمِ صبر پر عمل کرنے میں تمام صابرین مشترک ہیں، اس لئے اس کا بدلہ رحمتِ عام ہے لیکن چونکہ ہر صابر کے صبر کی کیفیت وخصوصیت وکمیت جدا ہے لہٰذا ان خصوصیات کا صلہ بھی جدا جدا خاص عنایتوں سے ہوگا۔ جتنا جس کا صبر ہوگا اتنی ہی عنایتِ خاصّہ اس پر مبذول ہوگی اور یہ نزولِ رحمت تمہارے رب کی طرف سے بدون واسطۂ ملائک ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست رحمتیں نازل ہوں گی **مِنْ رَّبِّهِمْ** فرمایا کہ تمہارا رب براہ راست تم پر رحمت نازل کرے گا۔ دیکھو کوئی دوست کسی کو براہ راست کوئی چیز دے اور کبھی خود نہ دے بلکہ کسی کے ذریعہ سے دے تو فرق ہے یا نہیں؟ تو **مِنْ رَّبِّهِمْ** سے اللہ تعالیٰ نے مزہ بڑھا دیا اور صبر کو میٹھا کردیا کہ تمہارے رب کی طرف سے بدون واسطۂ ملائک رحمتِ خاصہ بھی ملے گی اور رحمتِ عامہ بھی۔

تیسری بشارت ... نعمتِ اهتداء

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ بھی دکھایا اور مطلوب تک بھی پہنچادیا یعنی اس حقیقت تک ان کی رسائی ہوگئی کہ حق تعالیٰ ہی ہمارے مالک اور نقصان کا تدارک کرنے والے ہیں۔ ہدایت کے دو معنی ہیں: ایک تو **اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ** یعنی راستہ دِکھانا اور دوسرے **اِيْصَالٌ اِلَى الْمَطْلُوْبِ** یعنی مطلوب تک پہنچادینا۔ **اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ** یہ ہے کہ جیسے کوئی راستہ دِکھادے کہ وہ نیپا چورنگی ہے اور **اِيْصَالٌ اِلَى الْمَطْلُوْبِ** یہ ہے کہ نیپا چورنگی تک پہنچادیا۔ پس صبر کی دو برکات ہیں، ایک تو اللہ کا راستہ نظر بھی آئے گا اور دوسرے اللہ تعالیٰ تک رسائی بھی ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نِعْمَ الْعِدْلَانِ وَنِعْمَ الْعِلَاوَةِ (کنز العمال (دار الکتب العلمیۃ): ج ۲ ص ۱۵۴؛ رقم الحدیث ۴۲۲۲)۔ دونوں عین پر زیر ہے۔ صاحبِ منجد لکھتے ہیں کہ ''العدلان'' کے معنی اونٹ کے دو طرف بورا ہو، گندم کا یا کھجور کا، اور اگر بیچ میں بھی ایک بورا ہو تو اس کا نام ہے ''العلاوۃ''۔ اس کو اصطلاح میں کہتے ہیں: ''ارے بھائی! لدا لدایا اونٹ جا رہا ہے۔'' تو فرمایا نِعْمَ الْعِدْلَانِ وَنِعْمَ الْعِلَاوَةِ یعنی دو بورے اللہ کی رحمتِ خاصہ اور رحمتِ عامہ کے تو تھے ہی، ان کے درمیان میں اللہ نے نعمت کا ایک بورا اور رکھ دیا، وہ کیا ہے؟ نعمتِ اہتداء۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باطنی نعمتوں کی بارش فرما دی یعنی رحمتِ خاصہ بھی عطا فرمائی اور رحمتِ عامہ بھی اور اس کے ساتھ نعمتِ اہتداء بھی، جس سے بندہ وصول الی اللہ سے بھی مشرف ہو گیا، مقرب بھی ہو گیا، محبوب بھی ہو گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ارے بھائیو! یہ آیت تو لدا لدایا اونٹ ہے کہ صلوات بھی ہے، رحمت بھی اور اہتداء بھی ہے یعنی صبر کرنے والوں کو رحمتِ خاصہ بھی ملی اور رحمتِ عامہ بھی ملی اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے کا اور اس طرح ان کی محبوبیت کا بھی اعلان فرما دیا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے اِنَّ نُزُوْلَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جہان میں اللہ تعالیٰ کی خاص و عام رحمتوں کا صابرین پر نزول ہوتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے اس اشارہ کی تائید بھی ہوتی ہے جس کو روح المعانی میں اسی مقام پر درج کیا گیا ہے:

((مَنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ جَبَرَ اللهُ تَعَالٰى مُصِيْبَتَهٗ وَاَحْسَنَ عُقْبَاهُ وَجَعَلَ لَهٗ خَلَفًا صَالِحًا يَّرْضَاهُ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۲ ص ۵۷۷)

ترجمہ: جس شخص نے مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کی مصیبت کے نقصان کی تلافی فرماتے ہیں اور اس کے عقبیٰ کو احسن کر دیں گے اور اس کو ایسا نعم البدل عطا فرمائیں گے جس سے وہ خوش ہو جاوے گا۔

استرجاع کی سنت ادا کرنے کے مختلف مواقع

((وَالْمُصِيْبَةُ تَعُمُّ مَا يُصِيْبُ الْاِنْسَانَ مِنْ مَّكْرُوْهٍ فِيْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ اَوْ اَهْلٍ قَلِيْلًا كَانَ الْمَكْرُوْهُ اَوْ كَثِيْرًا حَتّٰى لَدْغِ الشَّوْكَةِ وَلَسْعِ الْبَعُوْضَةِ وَانْقِطَاعِ الشِّسْعِ وَانْطِفَاءِ الْمِصْبَاحِ وَقَدِ اسْتَرْجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ وَقَالَ كُلُّ مَا يُؤْذِى الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ لَّهٗ وَاَجْرٌ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۲ ص ۵۷۵)

ترجمہ: مصیبت عام ہے جو تکلیف بھی انسان کو پہنچے، اس کے نفس کو یا مال کو یا اہل وعیال کو، قلیل ہو یا کثیر ہو، یہاں تک کہ کانٹا چبھ جانا، مچھر کا کاٹنا، جوتے کا تسمہ ٹوٹ جانا، چراغ کا بجھ جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان تمام مواقع پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو جو چیز بھی اذیت اور تکلیف دے وہ مصیبت ہے اور اس کے لئے اجر ہے

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصیبت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے سنت ادا ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسب ذیل چار مواقع پر صبر فرمایا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان چار مواقع پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر عمل کا راستہ کھول دیا تاکہ ہمارے اندر فہم پیدا ہو کہ کہاں کہاں پڑھنا چاہیے، اور اُمت کو ہدایت کر دی کہ چھوٹی سے چھوٹی مصیبت پر بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یعنی معیتِ خاصہ کی دولت حاصل کرلو۔ وہ چار باتیں کیا ہیں؟

(۱) عِنْدَ لَدْغِ الشَّوْكَةِ: کانٹا چبھ جانے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ہے۔ (۲) وَعِنْدَ لَسْعِ الْبَعُوْضَةِ: اور جب مچھر کاٹ لیتا تھا تب بھی

آپ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے تھے۔ یہ راستہ مل رہا ہے کہ چھوٹی مصیبت پر بھی فضیلت مل رہی ہے۔ ہے تو چھوٹی مصیبت مگر بڑی فضیلت لے لو، چھوٹے عمل پر اجرِ عظیم لے لو۔ (۳) وَعِنْدَ انْقِطَاعِ الشِّسْعِ: جب چپل کا فیتہ ٹوٹ جائے تب بھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھو۔ (۴) وَعِنْدَ انْطِفَاءِ الْمِصْبَاحِ: اور جب چراغ بجھ جاتا تھا تو بھی آپ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں جب کبھی بجلی فیل ہو جائے تو اس سنت کو ادا کر لیا کریں۔ یہ نہیں کہ اب ہمارے پاس تو چراغ نہیں ہے، چراغ نہیں ہے تو بجلی تو ہے لہٰذا یہ سنت ادا کرو۔

تعریفِ مصیبت بزبانِ نبوت

یہ چار مثالیں ہیں لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رحمت دیکھئے کہ ان چار مثالوں پر عمل کر کے اُمت کو دِکھا دیا اور پھر آخر میں ایک قاعدہ کلیہ بھی بتا دیا چونکہ ہر شفیق اور مہربان استاد چند جزئیات کے بعد ایک کلیہ بیان کر دیتا ہے تاکہ شاگرد اس پر قیاس کر سکے، لہٰذا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک کلیہ بیان فرما دیا تاکہ قیامت تک آنے والی اُمت اپنی ہر حالت کو اس پر منطبق کر سکے اور قیاس کر سکے کہ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنے کے کیا مواقع ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کہ: كُلُّ مَا يُؤْذِي الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ لَّهٗ وَاَجْرٌ ہر وہ چیز جو مومن کو تکلیف پہنچائے وہ اس کے لئے مصیبت ہے اور اس پر اَجر ہے۔ اور ایک بات اور بھی سن لو کہ اگر دس سال پہلے کی مصیبت یاد آ جائے جیسے دس سال پہلے کسی کا انتقال ہوا اور آج اس کا خیال آ گیا اور دل میں تھوڑا سا غم آ گیا تو پچھلی مصیبتوں پر بھی جو ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھے گا اس کو بھی اَجر ملے گا۔

سنتِ استرجاع کی تکمیل

((وَيُسَنُّ اَنْ يَّقُوْلَ بَعْدَ الْاِسْتِرْجَاعِ اَللّٰهُمَّ اْجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا فَقَدْ اَخْرَجَ مُسْلِمٌ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ تُصِيْبُهٗ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ اِنَّا لِلّٰهِ

وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اٰجَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مُصِيْبَتِهٖ وَاَخْلَفَ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ كَمَا اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْلَفَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِيْ خَيْرًا مِّنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۲ص ۵۷۶)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون کے بعد یہ کہے اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اے اللہ! مجھے اَجر عطا فرما میری مصیبت میں اور اس سے بہتر کوئی نعمت مجھے عطا فرما۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی بندے کو مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھ لے (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون سے خیرا منہا تک) تو حق تعالیٰ اس کو اَجر عطا فرماتے ہیں اور اس سے بہتر نعمت عطا فرماتے ہیں۔ پس جب ابوسلمہ (ان کے شوہر) کی وفات ہوئی تو انہوں نے اس کو پڑھا اور حق تعالیٰ نے ان سے بہتر عطا فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔

شرح حدیث ”اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى ۔۔۔۔ الخ“

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب البکاء علی المیت؛ ص ۱۵۰)

ارشاد فرمایا کہ اس حدیثِ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظِ تعزیت ہیں، ان کا ترجمہ کرتا ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظِ تعزیت میں جو تسلی ہے وہ دنیا بھر کے کلام میں نہیں ہوسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ اللہ نے جو چیز ہم سے لے لی وہ اللہ ہی کی تھی۔ لِلّٰهِ میں لام تملیک کا ہے کہ اللہ ہی اس کا مالک ہے۔ اگر کوئی امانت کے طور پر کوئی چیز آپ کو دے کہ اس کو اپنے پاس رکھو، پھر جب وہ واپس لیتا ہے تو آپ کو غم نہیں ہوتا۔ ہم کو جو مرنے والوں کا حد سے زیادہ غم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ

ان کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ہماری ملکیت نہیں تھے بلکہ اللہ کی امانت تھے۔ **وَلَهٗ مَا اَعْطٰى** اور جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا وہ بھی اللہ ہی کا ہے، لہٰذا جو نعمتیں ہمارے پاس ہیں، جو اعزاء موجود ہیں، سب نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ **وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى** اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، جو کچھ اللہ لیتا ہے اور جو کچھ عطا فرماتا ہے، ہر چیز کا وقت اللہ کے ہاں مقرر ہے کہ فلاں وقت اس کو فلاں چیز عطا ہوگی اور فلاں وقت فلاں چیز واپس لی جائے گی۔ پس عطا پر شکر کریں اور مافات پر صبر کریں۔

ہمارا مقصدِ حیات صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے

ارشاد فرمایا کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے ایام خواہ عیش کے ہوں یا تکلیف کے سب کو فنا ہے، بس نہ تو عیش سے اِترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت و اعتراض کرنے لگے۔ راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر و رضا و تسلیم سے کام لینا چاہیے۔ مقصدِ حیات کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصدِ حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ ان کے بتلائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے۔ اگر اتباعِ سنت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف، دونوں حال بندے کے لئے مبارک و مفید اور ذریعۂ قرب و رضا ہیں، اور اگر اتباعِ سنت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا۔

درسِ تسلیم و رضا

ارشاد فرمایا کہ اللہ سے اپنی مرادیں مانگو لیکن اگر تمہاری مرادیں پوری نہ ہوں تو بھی مست، خوش اور راضی رہو کہ اس آرزو کو پورا نہ کرنے میں میری ہی مصلحت ہے۔ اگر آرزو پوری ہونے پر ہی خوش ہوئے تو کیا ہوئے، مزہ تو جب ہے کہ جب حق تعالیٰ درد دیں، تب بھی مست رہو کہ وہ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے، یعنی اے اللہ! میں آپ کے الطاف و کرم اور آپ کی طرف سے آنے والی مصیبت اور غم دونوں پر راضی ہوں کیونکہ دونوں میرے فائدے کے لئے ہیں۔

مصیبتِ شامتِ اعمال اور مصیبتِ بلندیٔ درجات کی پہچان

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ گنہگار اور نافرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکوں پر بھی آتی ہیں، پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلا اور تکلیف شامتِ اعمال ہے یا ذریعۂ قربِ الٰہی ہے؟ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت و کلفت میں اتباعِ سنت نصیب رہے اور قلب میں حق تعالیٰ کے ساتھ محبت و انس و رضا کا تعلق و رابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ تکلیف ذریعۂ قربِ الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دل میں ظلمت وحشت اور حق تعالیٰ سے دوری محسوس ہو اور توفیقِ انابت و گریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ شامتِ اعمالِ بد کے سبب ہے۔ اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیے۔

لٰہذا جب کوئی مصیبت آئے تو جائزہ لو کہ اگر مصیبت میں دعا اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کی توفیق ہوجائے، اَور زیادہ قرب الی اللہ نصیب ہوجائے تو سمجھ لو کہ یہ مصیبت رفعِ درجات کے لئے آئی ہے، اور اگر مصیبت میں حواس باختہ ہوجائے، اس کے دل میں خیال بھی نہ آئے کہ کوئی مصیبت بھیجنے والا بھی ہے، جس نے مصیبت پریشانی بھیجی ہے، اسی سے مصیبت دور ہونے کی دعا کرے۔

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے، چلانے والا شہہ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے، بس اور کوئی مفر نہیں ہے

اگر اللہ کی طرف رجوع حاصل نہیں ہو رہا تو پھر سمجھ لو کہ یہ مصیبت کسی گناہ کی سزا میں آئی ہے، خوب توبہ واستغفار کرو، کسی اللہ والے کی صحبت میں چلے جاؤ، وہاں جا کر بھی جب موقع لگے دعا کرلو، اور اللہ والوں سے بھی دعا کرالو۔

جس ذات سے اتنی نعمتیں ملی ہوں اگر غم مل جائے تو صبر کرے

ارشاد فرمایا کہ

لذتِ دست شکر بخش تو داشت	اندریں بطیخ تلخی کے گذاشت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے آقا سے ارشاد فرمایا کہ اے خواجہ! آپ کے دستِ نعمت سے صدہا نعمتیں کھائی ہیں، پس مجھے شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں، اسی ہاتھ سے آج اگر ایک تلخی عطا ہو رہی ہے تو اس سے انحراف وروگردانی کروں؟ بلکہ آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس تلخی کو بھی شیریں کر دیا۔

میرے مرشد حضرت مولانا شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز اپنی مجالسِ رشد و ہدایت میں اس شعرِ مذکور کو بہت ہی لذت سے بار بار پڑھا کرتے تھے اور اس بات کی تعلیم و نصیحت فرماتے تھے کہ ہر لحظہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار انعامات و احسانات بندوں پر ہو رہے ہیں لیکن اگر کوئی واقعہ یا حادثہ کبھی بظاہر تکلیف دہ پیش آجاتا ہے تو انسان ناشکرا اور بے صبرا ہو جاتا ہے، مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندے کے فیضِ صحبت سے دین کی فہم عطا فرمائی ہے، ان کا قلبِ سلیم رنج وتکلیف کی حالت میں بھی اپنے رب سے راضی رہتا ہے۔ اس وقت وہ بندے دین کی اس سمجھ سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ دنیا شفاخانہ ہے اور ہم سب مریض ہیں، طبیب کبھی مریض کو حلوۂ بادام کھلاتا ہے اور کبھی چرائتہ اور گلوہ نیب جیسی تلخ دوائیں پلاتا ہے، اور دونوں حالتوں میں مریض ہی کا نفع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں، حاکم بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں، پس ہمارے اوپر تقدیرِ الٰہی سے جو حالات بھی آتے ہیں خواہ راحت کے ہوں یا تکلیف کے، ہر حال میں ہمارا ہی نفع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علمِ الٰہی میں بعض بندوں کے لئے جنت کا جو عالی مقام تجویز ہو چکا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے ان کے پاس عمل نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتے ہیں جس پر صبر کر کے وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بندۂ مومن کو بخار آتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح موسمِ خزاں میں درختوں کے پتّے جھڑتے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس پر بھی اس کو اَجر ملتا ہے۔

پس مومن کو چاہیے کہ تکلیف کی حالت میں بھی راضی رہے یعنی زبان پر شکایت اور دل میں اعتراض نہ لائے البتہ گناہوں سے استغفار اور عافیت کی دعا خوب کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم کمزور ہیں، بلاؤں کے تحمل کی طاقت نہیں، آپ اپنی رحمت سے اس نعمتِ بلا کو عافیت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجئے۔ مصیبت و بلا کو مانگنے کی ممانعت ہے اور عافیت طلب کرنے کا حکم ہے۔ بلاؤں کا مانگنا اپنی بہادری کا دعویٰ ہے اور عافیت مانگنا اپنے ضعف و عاجزی کا اظہار ہے جو عند اللہ محبوب ہے۔

دنیا کی راحت ہو یا تکلیف، ایک خواب کی مانند ہے

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں کچھ تکلیف پہنچ گئی، کچھ لوگوں کے لعن طعن سن لئے کہ ارے! تم نے داڑھی رکھ لی اور وہ بھی ایک مٹھی، لاحول ولاقوۃ، ملّا رجعت پسند ہوئے جا رہے ہو، تم تو نا قابلِ واپسی ہو گئے ہو، جبکہ انگریزی میں خود کہتے ہیں old is gold یعنی پرانی چیز تو سونا ہوتی ہے اور یہ بے چارے چودہ سو برس پہلے والا چہرہ بنا رہے ہیں، اپنے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ بنا رہے ہیں تو تم ان سے لڑتے ہو۔ یا رشوت نہ لینے سے مکھن کی ٹکیہ حلق سے نہ اُتری اور کپڑوں میں پیوند لگ گئے، تو بتاؤ! کیا نقصان ہو گیا؟ یہ دنیا تو ایک خواب ہے، آج جن لذتوں سے ہم مست ہو رہے ہیں، یہ ایک دن خواب ہونے والی ہیں۔ ہندی کا مقولہ ہے ''اُتر گئے گھاٹی ہو گئے ماٹی''، یعنی جس بریانی کی خوشبو مست کئے دے رہی ہے مگر اسی بریانی کا لقمہ حلق سے اُتر کر مٹی ہو گیا۔ آج ہمیں ان لذتوں کے لئے نہ حرام کی پرواہ ہے نہ حلال کی، رشوت اور سود کی مرغ کی پلیٹ سامنے آئی تو خدا کو بھول گئے۔ آج جن حرام لذتوں سے اللہ کو ناراض کر کے مزہ لے رہے ہیں تو مزہ تو فانی ہو جائے گا اور سزا باقی ہو جائے گی۔

حال دنیا را بپرسیدم ز یک فرزانہ ای
گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ ای

ترجمہ: میں نے ایک عارف باللہ سے دنیا کی حقیقت دریافت کی تو کہا کہ دنیا یا خواب ہے

کہ آنکھ کھلتے ہی عالم بدل گیا، یا ایک ہوا ہے جو آئی اور چلی گئی، یا ایک افسانہ ہے۔
حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

عارفیؔ زندگی افسانہ در افسانہ ہے
صرف افسانوں کے عنوان بدل جاتے ہیں

زندگی ایک ایسا افسانہ ہے جس کے عنوان بدلتے رہتے ہیں، جب آدمی پیدا ہوا تو ایک عنوان اس وقت قائم ہو گیا، پھر کچھ سمجھ آئی، ماں باپ نے مدرسہ یا اسکول بھیجا، اب دوسرا عنوان شروع ہو گیا، پھر بالغ ہوا، شادی ہو گئی، اب ایک اور عنوان بدل گیا، پھر بڑھاپا شروع ہوا تو ایک اور عنوان قائم ہوا اور آخری عنوان پورے افسانے کا ''موت'' ہوتی ہے کہ جب ملک الموت گلا دبا دیتے ہیں، یہ زندگی کی حقیقت ہے ؂

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ دنیا کیف و مستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

خواب میں اگر کسی کو بادشاہت مل جائے کہ میں بادشاہ ہو گیا ہوں، تاجِ شاہی سر پر ہے، چاروں طرف خدام اور غلام دوڑتے پھر رہے ہیں، مرغ کی بریانی سامنے رکھی ہے اور ساری دنیا کی لذتیں حاصل ہیں لیکن جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ خود مجرم ہے اور سر پر جوتے پڑ رہے ہیں، تو اس بادشاہت سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ اسی طرح ایک شخص خواب دیکھ رہا ہے کہ مصیبت میں گھرا ہوا ہے، کوئی خوفناک جانور دوڑا رہا ہے، خوف سے آواز بھی نہیں نکل رہی، اسی میں آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ سامنے بریانی رکھی ہے، یا یہ کسی ملک کا بادشاہ ہے، خدام و لشکر و فوج خدمت میں حاضر ہیں تو بتاؤ! اس خواب سے اس کا کیا ضرر ہوا؟
خواب میں خواہ بادشاہت کر لو یا تکلیف اُٹھا لو، سب برابر ہے۔ موت کے وقت

جب آنکھ کھلے گی تو اصل راحت وتکلیف اس وقت معلوم ہوگی۔ اگر دنیا میں اپنی من مانی زندگی گذاری تو موت کے وقت ہی سے تکلیف والی زندگی میں آنکھ کھلے گی اور اگر رب چاہی زندگی گذاری ہوگی تو موت کے وقت حقیقی سلطنت وراحت والی زندگی میں آنکھ کھلے گی۔

آج دنیا والوں کے طعنوں سے ڈرتے ہو کہ اگر ہم داڑھی رکھ لیں گے، یا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہن لیں گے، یا سر پر انگریزی بال نہیں رکھیں گے تو برادری والے ہمیں چڑائیں گے کہ یہ ملّا ہوگیا ہے، تو ہم برادری کی نگاہوں سے گر جائیں گے، لیکن یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ انبیاء، صحابہ، اولیاء اللہ اور ملائکہ کی بھی تو ایک برادری ہے، اب فیصلہ کرلو کہ کس برادری کو خوش کرنا بہتر ہے اور کس کو نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں تم برادری کی نظر سے گر گئے لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی نگاہوں میں تمہاری عزت بڑھ گئی تو تم فنا ہونے والی، ناپاک برادری سے الگ ہوگے اور پاک بندوں کی برادری میں شامل ہوکر معزز ہوجاؤ گے۔

’’غم میں بھی شکر کرے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ اعتراض نہ کرے

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں فرمانِ رسالت ہے:

((اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰی اِلَی الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الَّذِیْنَ یَحْمَدُوْنَ اللہَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل...؛ ص ۲۰۱)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جنت کی طرف سب سے پہلے جنہیں بلایا جاوے گا وہ لوگ ہوں گے جو فراخی اور تنگی میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں اَلسَّرَّآءُ وَالضَّرَّآءُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((اَلسَّرَّآءُ اَلْحَالَۃُ الَّتِیْ تَسُرُّ وَالضَّرَّآءُ اَلْحَالَۃُ الَّتِیْ تَضُرُّ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ البقرۃ؛ ج ۴ ص ۳۷۲)

سرّاء ہر وہ حالت ہے جو خوشی پیدا کرے اور ضرّاء ہر وہ حالت ہے جو ضرر سے

غمگین کرے۔ حالتِ خوشی میں اللہ تعالیٰ کی حمد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن حالتِ ابتلاء اور حالتِ غم میں اللہ تعالیٰ کی حمد کس طرح کی جائے؟ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تکالیف میں حمد سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر اعتراض نہ ہو اور اپنے مولیٰ سے راضی رہے۔ دوسرا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ مومن حالتِ تکلیف میں خدا تعالیٰ کی حمد اس لئے کرتا ہے:

((اِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللہَ عِنْدَھَا لِعِلْمِہٖ بِمَا یُثَابُ عَلَیْہِ مِنَ الثَّوَابِ الْعَظِیْمِ اَوْ حَمِدَ عَلٰی اَنَّ الْمُصِیْبَۃَ لَیْسَتْ فِیْ دِیْنِہٖ اَوْ عَلٰی اَنَّہٗ مَا وَقَعَ اَکْبَرُ اَوْ اَکْثَرُ مِنْھَا))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، باب البکاء علی المیت، ج ۴ص ۱۸۹)

یعنی مومن اجرِ آخرت کے علم کے سبب خدا کی حمد کرتا ہے، اور اس پر شکر کرتا ہے کہ دنیا کی مصیبت تو آئی لیکن میرے دین و ایمان سلامت ہیں، اور اس وجہ سے بھی شکر ادا کرتا ہے کہ جو بلا آئی ہے شکر ہے اس سے بڑی بلا نہیں آئی یا اس سے کثیر نہیں آئی۔ اکبر باعتبار کیفیت اور اکثر باعتبار کمیت، دونوں صورتوں سے حفاظت پر حمد کرتا ہے۔

وظیفہ کی حیثیت

(ایک صاحب ملازمت کے لئے پریشان تھے، ان کو ایک وظیفہ بتلانے کے بعد۔۔۔)

ارشاد فرمایا کہ وظیفہ اللہ تعالیٰ پر حکومت نہیں کرتا، یہ تو بس ایک درخواست ہے۔ جو چیز مانگی ہے، اگر وہ مل جائے تو شکر کرنا اور اگر نہ ملے تو راضی رہنا۔ آج کل لوگ وظیفہ بتاتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ایسا مجرب ہے، ویسا مجرب ہے۔ پھر اگر اس وظیفہ کا اثر محسوس نہیں ہوتا تو شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارے رب نے تمہاری کیا سنی؟ اس طرح اللہ کے وجود ہی میں شک ڈال دیتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایمان ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بتا دیا کہ وظیفہ درخواست ہے، اللہ پر حکومت نہیں ہے کہ کام ضرور ہی ہو جائے گا، اگر تمہارے لئے مناسب نہیں ہو گا تو اللہ نہیں دے گا۔ اللہ کے

ہر فیصلہ پر راضی رہنا ہی عبدیت ہے:

((فَقَدْ رُوِیَ فِی الْحَدِیْثِ الْقُدْسِیِّ مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَآئِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ فَلْیَلْتَمِسْ رَبًّا سِوَائِیْ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ باب عیادۃ المریض و ثواب المرض، ج ۴ ص ۳۹)

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے فیصلہ سے راضی نہیں ہے اور میری دی ہوئی تکلیف پر صابر نہیں ہے تو وہ جائے میرے علاوہ کسی اور کو اپنا رب بنالے۔

ایک صاحب جو دنیاوی تعلیم کے لئے بیرونِ ملک گئے تھے امتحان میں رہ جانے سے مغموم تھے۔ ان کے خط کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ وظیفہ اور دعا سے مقصود حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہارِ عرض ہے، اپنی حاجت کو پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد اللہ کی مرضی پر سرِ تسلیم خم رکھنا اور راضی رہنا بندوں کے لئے آدابِ بندگی ہے۔ کسی ناکامی سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے، خیر اور بھلائی اور عزتوں کے عطا کرنے کے اللہ تعالیٰ کے پاس بے شمار راستے ہیں، ایک ہی راستہ پر نظر اور اصرار خلافِ بندگی ہے۔

اہلِ دنیا کے طعن و تشنیع کا علاج

(احقر راقم الحروف میرؔ نے عرض کیا کہ حضرت! میرے خاندان کے لوگ مجھے بہت حقیر سمجھتے ہیں کہ ملّا بن کر یہ برباد ہو گیا، نہ اس کے پاس کار ہے نہ مکان ہے نہ ذریعۂ معاش ہے، ان کی نگاہوں میں میری تحقیر معلوم ہوتی ہے۔ اس پر۔۔۔)

ارشاد فرمایا کہ اگر مخلوق نے تمہیں اپنی نگاہوں سے گرا دیا ہے تو تم بھی مخلوق کو اپنی نگاہوں سے گرا دو۔ اس گرانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مخلوق کو حقیر سمجھنے لگو، اگر کہیں دوسروں کو حقیر سمجھ لیا تو یہ خود جرمِ عظیم ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ دل میں مخلوق کی کوئی وقعت نہ ہو، لوگوں کو خوش کرنے کی، لوگوں کی نگاہ میں معزز ہونے کی فکر نہ رہے۔ دل میں یہ خواہش نہ رہے کہ کون سا ایسا کام کرلوں کہ جس سے لوگوں کی نظروں میں میری عزت

ہو جائے، دل کو مخلوق سے خالی کرلو۔ اگر لوگ تمہیں دقیانوسی ملّا یا پس ماندہ سمجھتے ہیں تو تمہارا کام یہ ہے کہ ان کی نظروں سے بے نیاز ہو جاؤ اور جہاں مخلوق کی رضا اور خالق کی رضا میں ٹکراؤ ہو رہا ہو، وہاں مخلوق کو بالکل نظر انداز کر دو اور خالق کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ میاں کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر ساری مخلوق تم پر طعن کرے تو بھی اپنے مولیٰ کو ناراض کرنے کی ہمت نہ ہو تب سمجھو کہ مخلوق نگاہ سے گر گئی۔

مخلوق نے اگر کسی کو نگاہوں سے گرادیا ہے تو اسے شکر کرنا چاہیے کہ اسے بڑی نعمت عطا فرمائی گئی ہے جو مجاہدۂ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ بعض دفعہ مخلوق سے تعلق اللہ کے راستہ کا بہت بڑا بُت ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا لوگ بہت اکرام کرنے لگیں اور دعائیں کرانے لگیں اور بزرگ سمجھنے لگیں تو یہ باتیں خصوصاً مبتدی کے لئے ہلاکت کا سبب ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسے لوگوں سے قلب کو علاقہ وتعلق زیادہ ہو جاتا ہے، پھر اس کا دل سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ نفس وشیطان کان میں پھونک دیتے ہیں کہ تم مقدس ہو گئے جب ہی تو لوگ تمہاری عزت کر رہے ہیں۔ بس جہاں اپنے تقدس کا گمان ہوا سمجھ لو کہ راستہ مارا گیا اور بندے کے قلب اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب پڑ گیا۔

برعکس اس کے جس بندے کو مخلوق ذلیل سمجھ رہی ہو، اس کا دل ٹوٹا ہوا رہتا ہے اور اس کی نظر اپنے مولیٰ کی طرف لگی رہتی ہے کہ اے اللہ میاں! آپ اپنا بنا لیجیے، مخلوق تو مجھے ذلیل سمجھتی ہے آپ مجھے ذلیل نہ سمجھئے۔ اے اللہ! اگر ساری مخلوق مجھے حقیر و ذلیل سمجھ رہی ہے اور آپ مجھے عزیز رکھتے ہیں تو مجھے کوئی غم نہیں ہے اور اگر ساری مخلوق مجھے معزز سمجھے لیکن آپ کی نگاہوں میں مَیں ذلیل ہوں تو اے اللہ! ایسی عزت سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ جس بندے پر وہ فضل فرماتے ہیں اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتے ہیں اور عادتاً اس کی تکمیل یوں ہی ہوتی ہے کہ اس کو مخلوق کی نگاہوں میں گرا دیتے ہیں، پہلے مخلوق اس کو چھوڑتی ہے پھر یہ مخلوق کو چھوڑتا ہے یعنی پھر مخلوق کو دل سے نکالنا اس پر آسان ہو جاتا ہے۔ تو جس شخص کو مخلوق حقیر سمجھ رہی ہو (دین کی وجہ سے) اور اس کو اپنی نگاہوں سے

گرا رہی ہو تو اسے شکر کرنا چاہیے کہ بغیر اختیار کے اس کو بڑی نعمت عطا فرمائی گئی ہے جو مجاہدۂ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اگر کوئی اپنے اختیار سے ایسا کام کرتا جس سے مخلوق کو ایذاء پہنچے اور اس کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھنے لگیں تو یہ فعل مذموم ہوتا اور بجائے قرب کے اَور دوری ہو جاتی لیکن غیر اختیاری طور پر اگر میاں کسی کے لئے یہ انتظام فرما دیں تو اسے خوش ہونا چاہیے کہ بھلے دن آ رہے ہیں اور اللہ کا فضل اس کی طرف متوجہ ہے، دل کو اللہ میاں اپنے لئے خالی کر رہے ہیں۔

اللہ کے راستے میں جتنی مزاحمت ہو گھبرانا نہیں چاہیے

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جب کوئی بندہ ہم کو راضی کرنے کی فکر میں ہمارے راستہ میں قدم رکھتا ہے، اپنی خواہشات کو ختم کرتا ہے، مخلوق کی خوشی اور ناخوشی کو ناقابلِ توجہ سمجھ کر اللہ کی خوشی پر اپنی توجہ کو لگاتا ہے تو اس وقت کچھ نالائق ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اس پر ہنستے ہیں:

﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ۝﴾

(سورۃ المؤمنون: آیۃ ١١٠)

ترجمہ: سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اس کا مشغلہ کیا) کہ مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بُھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ (بیان القرآن)

جیسے یہ آج کل کے مسٹر لوگ کہتے ہیں کہ کیا مسجد کے مینڈھے بنے ہوئے ہو، تمہیں خبر نہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے، تم کنویں کے مینڈک ہو، کنویں کی چار دیواری سے باہر نکل کر دیکھو کہ دنیا کہاں جا رہی ہے اور تم کہاں پڑے ہو، روس اور امریکہ تو چاند پر جا رہے ہیں اور تم تیرہ سو برس سے تسبیح کھٹکھٹا رہے ہو۔ یہ سب باتیں محبت نہ ہونے کی ہیں۔ ایک عاشق اپنے محبوب کے بارے میں کہتا ہے ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ	جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

جہاں کہیں وہ یوسف جیسا چہرہ رکھنے والا ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہو وہ جنت ہے اگرچہ وہ کنویں کی گہرائی ہی میں کیوں نہ ہو۔ہم کنویں کے مینڈک سہی لیکن جنت میں ہیں کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے، ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہے اور تم اللہ کے قرب سے محروم ہو۔

لہٰذا اس راستہ میں جتنی مزاحمت ہو گھبرانا نہیں چاہیے، اتنی ہی ترقی بھی ہوتی ہے اور جن کو کچھ مزاحمت نہیں اُٹھانا پڑتی ان کی ترقی بھی کم ہوتی ہے، جیسے کوئی شخص آگے بڑھنا چاہ رہا ہو اور کوئی اس کو پیچھے کو گھسیٹ رہا ہو تو اس کو آگے بڑھنے کے لئے قوت صَرف کرنا پڑے گی ،اب کیونکہ آگے بڑھنے میں اس کو مشقت ہوگی تو جو کچھ حاصل کرے گا اس کی اس کے دل میں قدر ہوگی۔اس جدوجہد میں قوتِ پرواز بھی بڑھتی ہے، بہ نسبت اس شخص کے جس کو کچھ مشقت اُٹھانی نہیں پڑ رہی، وہ ایک خاص رفتار سے آگے بڑھتا رہتا ہے اور جس کو مشقت کرنا پڑتی ہے وہ لامحالہ اپنی رفتار کو تیز کرتا رہتا ہے کہ کہیں گھسیٹنے والا غالب نہ آجائے۔یہ راستہ ہی ایسا ہے کہ اس میں لوگوں کی لعن طعن سننا پڑتی ہے۔

والدین اگر دین میں رکاوٹ ڈالیں تو کیا کرنا چاہیے؟

بس اللہ والے بن جاؤ اور جو مشقتیں اس راہ میں اُٹھانی پڑیں انہیں جھیل لو۔ کیا جن کے لئے ہم قربان ہونے کو تیار ہیں انہیں اتنی قدرت نہیں کہ ہماری ضروریات کو پورا کردیں؟ جب آخرت عطا فرمادیں گے تو دنیا جیسی حقیر چیز کیوں نہ دیں گے۔کسی کے والدین اگر اس راستہ میں حائل ہوتے ہیں تو انہیں نرمی سے سمجھا دینا چاہیے۔اگر کبھی کچھ سخت الفاظ نکل جائیں تو دوسرے وقت انہیں راضی کرلو۔والدین کے سامنے کندھوں کو جھکائے رہو اور اُف تک مت کہو۔ہاں اگر کسی گناہ کے کام کا حکم کریں تو اطاعت مت کرو۔ والدین جو اللہ کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں یہ ان کی نادانی کی محبت ہے حالانکہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ ان کا بچہ اللہ والا ہو جائے۔نیک اولاد صدقۂ جاریہ ہے، جو نیک کام یہ کرے گا اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے گا، ان کے مرنے کے بعد بھی جب تک نیک اولاد

زندہ رہتی ہے والدین کوثواب پہنچتا رہتا ہے۔ یہ کوٹ پتلون والے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ ان کی کار کام آئے گی نہ ان کا بنگلہ کام آئے گا۔ ان والدین کوتو اپنی خوش نصیبی پر شکر ادا کرنا چاہیے بجائے اس کے فکر مند ہوتے ہیں۔ مجھے تو انتہائی خوشی ہوا اگر مظہر میاں خالی دین کے کام میں لگے رہیں اور دنیا کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوں تو مجھے توکبھی یہ خیال نہ آئے کہ یہ اپنی زندگی تباہ کررہے ہیں۔ خوش قسمتی کو اگر آدمی تباہی سمجھ لے تو اس کی بدنصیبی ہے۔

طعن وتشنیع کے وقت خاموش رہنے کا انعام

پس اگر کوئی تمہارا مذاق اُڑائے تو اس کو سختی اور غصہ سے جواب نہ دو بلکہ صبر کرو۔ مخلوق کے مذاق اُڑانے سے کبھی نہ گھبرانا چاہیے، تمہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت میں عمل مل گیا، یہ ایسا عمل ہے کہ جس میں تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا اور اَجر مل جاتا ہے۔ دوسرے اعمال میں تو کچھ کرنا پڑتا ہے، ذکر کی مشقت کرنی پڑتی ہے، پابندی کرنی پڑتی ہے لیکن یہ عمل ایسا ہے کہ تم خاموش ہو اور دوسرے مذاق اُڑا رہے ہیں، ستا رہے ہیں۔ وہ ستائیں تم صبر کرو۔ معلوم ہے اس پر کیا انعام اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں:

﴿اِنِّیۡ جَزَیۡتُہُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّہُمۡ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ۝﴾

(سورۃ المؤمنون: آیۃ ۱۱۱)

میں نے ان کو آج ان کے صبر کا یہ بدلہ دیا ہے کہ وہی کامیاب ہوئے۔ (بیان القرآن) صبر کرنے والوں کو تو کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ! مخلوق نے جس طرح مجھے اپنی نگاہوں سے گرا دیا ہے، آپ مخلوق کو میری نگاہوں سے گرا دیجیے اور میرے دل سے اس کی وقعت نکال دیجیے اور اس سے میرے دل کو خالی کردیجیے کہ بغیر اس حجاب کے میرا قلب آپ کو دیکھے۔ اے اللہ! آپ کے سارے بندے مجھ سے اچھے ہیں اور میں سب سے بُرا ہوں لیکن آپ کیونکہ ان سے بھی اچھے ہیں اس لئے دل سے مخلوق کا انخلا کر رہا ہوں۔ دل کو مخلوق سے اللہ کے لئے خالی کرے، کسی کو حقیر سمجھ کر نہیں۔ اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے اور سب

بندوں کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ بندہ جتنا اپنی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں میں چڑھتا جاتا ہے اور جتنا اپنی نگاہوں میں چڑھتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے۔

مخلوق کے استہزاء پر صبر کے معنی

ارشاد فرمایا کہ کسی کے مذاق اُڑانے پر صبر کے کیا معنی ہیں؟ راستہ پر قائم رہنا۔ ان کا مذاق تمہیں متاثر نہ کرے بلکہ عزم اور پختہ ہو جائے، ایمان و یقین اور بڑھ جائے اور قدم اللہ کے راستہ سے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔ ان کے مذاق کو سن کر اگر یہ خیال آ گیا کہ واقعی ہم گھاٹے میں ہیں، سمجھ لو کہ یہ اثر قبول کر لینا بہت بڑا گھاٹا اور ایمان کا زوال ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ تم اس وقت اندھے ہو گئے، ان کا جادو تم پر اثر کر گیا، تمہیں حق و باطل میں تمیز نہ رہی، مقامِ اعلیٰ سے اسفل میں آ گرے۔ سمجھ لو کہ ایمان کے قلعہ کی بنیاد ہل گئی اگر کچھ یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کار اور بنگلے والے نفع میں ہیں اور ہم گھاٹے میں ہیں۔ جس کے دل میں دنیا داروں کی بڑائی اور اپنی کمتری کا احساس آ گیا تو یہ علامت ہے کہ اس کا سینہ اللہ کی محبت سے خالی ہے، اس کے دل کو اللہ سے تعلق حاصل نہیں۔ اگر سینہ میں اللہ کی محبت ہوتی اور اس کی روح نے خوشۂ غیبی یعنی اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیا ہوتا تو یوں کہتا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم مذاق اُڑا کر مجھے راستہ سے ہٹا دو گے، بھیجہ سے یہ خیال نکال دو۔ تمہیں کیا معلوم کہ میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

اہلِ دنیا کے طعن و تشنیع کی وجہ

لوگ اسی لئے مذاق اُڑاتے ہیں کہ ان کا عیش کرکرا ہوتا ہے، اپنی پیٹھ پر وہ ہمیں ناسور سمجھتے ہیں کہ یہ ساتھ رہتے ہیں تو کیوں ہماری طرح لڑکیوں پر جملے نہیں کستے؟ کیوں ہمارے ساتھ سنیما نہیں جاتے؟ ہر وقت اللہ رسول کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ بس ان کے طعنوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لو۔ دل کو غم ہوگا، یہی غم کیمیا ہے۔ جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے اگر وہ آگ کی آنچ برداشت کر لے تو زنگ دور ہو جائے گا۔ ایمان بھی اس غم کی آنچ سے چمکے گا۔

زر خالص در دل آتش خوش است

خالص سونا آگ میں اَور زیادہ نکھر جاتا ہے، جتنی آگ تیز ہوتی ہے اتنا ہی خالص سونا زیادہ نکھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو سب سے زیادہ تکلیفیں دی جاتی ہیں، یہاں تک کہ ان کے کلیجے منہ کو آجاتے ہیں کیونکہ یہ سونا خالص ہے، آگ اس کو اَور نکھارے گی، اَور زیادہ قیمتی بنادے گی۔ یہ لوگ جو آج مذاق اُڑا رہے ہیں کل خود ہی نادم ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کی کیا ہستی ہے، اللہ کے معصوم نبی کو اس راستہ میں کیسی کیسی ایذائیں پہنچائی گئیں، طائف کے بازار میں اللہ کے محبوب کے اتنے پتھر مارے گئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ وہ خون کوئی معمولی خون تھا؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس خون کا ایک قطرہ زمین و آسمان، عرش و کرسی، لوح و قلم سے زیادہ قیمتی ہے۔ عرش غضبِ الٰہی سے ہل گیا۔ طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں پر جو فرشتے مامور تھے حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ہم ان پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ملادیں کہ اہلِ طائف بالکل آٹے کی طرح پس جائیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! شاید ان کی اولاد ایمان لے آئے، یہ لوگ بے خبر ہیں، پہچانتے نہیں۔ یہ ہوتا ہے نبی کا ایمان اور یقین۔

ہمیں ایمان جیسی دولت مفت میں مل گئی ہے اس لئے ہمیں اس کی قدر نہیں ورنہ جن کے کلیجے اس راستہ میں منہ کو آ گئے انہوں نے ایمان کی قدر پہچانی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیسی کیسی ایذائیں برداشت کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ان کے کلیجے منہ کو آ گئے اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ ایمان بغیر غم اُٹھائے ہوئے نہیں چمکتا۔ مخلوق سے جو اذیت پہنچے برداشت کرو، گناہوں سے بچنے میں جو غم ہو اس کو جھیل جاؤ، غموں کی اس آگ سے ایمان چمک اُٹھے گا۔ اگر یہاں اپنے ایمان کا سونا نہیں چمکاتے تو دوزخ میں اس کو چمکایا جائے گا۔ جو کالا کلوٹا سونا ہو گا اس کا زنگ دور کرنے کے لئے اس کو وہاں آگ میں رکھا جائے گا، پھر پاک صاف کر کے جنت میں بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہیں وہ گندی چیز کو کیسے خرید سکتے ہیں؟ لیکن مخلوق کا طعن سننا آسان ہے، گناہوں سے بچنے کا

غم اٹھانا آسان ہے لیکن سمجھ لو کہ اُس آگ کا تحمل نہ ہو سکے گا۔ یہاں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو قابلِ برداشت ہے مگر دوزخ کی تکلیف برداشت نہ ہو سکے گی۔ اس تکلیف سے بچنے کا سامان کرلو ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دعا مانگو کہ اے اللہ! مخلوق آپ کے راستہ سے مجھے ہٹا رہی ہے، آپ استقامت کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجئے:

﴿رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ﴾

(سورۃ الاعراف: آیۃ ۱۲۶)

اے اللہ! صبر کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجئے اور مجھے اسلام کی حالت میں موت دیجئے۔ جب کسی کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں تو اس کو بجلی کا شاک دیا جاتا ہے تاکہ قوت پیدا ہو جائے۔ لوگوں سے طعنہ اور اذیت دلا کر اللہ تعالیٰ ہمارے دل پر کرنٹ مارتے ہیں کہ ایمان میں حرارت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے سے جو غم پیدا ہوتا ہے وہ بھی ایمان چمکانے کا کرنٹ ہے۔

دنیاوی حوادث سے پریشانی کا سبب

ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات بڑی دولت کے سامنے چھوٹی دولت کا احساس نہیں ہوتا مثلاً کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، اگر دس بیس روپے گم ہو جائیں تو اس نقصان سے وہ پریشان نہ ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں کو یہ یقین آ گیا اور محسوس ہونے لگا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اگر کسی وجہ سے دنیا کا کچھ نقصان ہو جاتا ہے تو ان کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے تعلق کی دولت سے سارے جہان سے سیر چشم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دولت کا احساس نہ ہو تو چھوٹے چھوٹے حوادث سے آدمی پریشان ہو جاتا ہے مثلاً اگر آپ اپنے بیٹے کے نام خفیہ دس ہزار روپے جمع کرا دیں اور اسے خبر نہیں کہ میرے پاس کیا دولت ہے تو اگر اس کے دس روپے بھی کھو جائیں گے تو بدحواس ہو جائے گا، لیکن اگر اس کو اس دولت کا علم ہوتا تو کبھی پریشان نہ ہوتا۔ اور یہ احساس کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہرگز بیدار نہیں ہوتا جب تک کہ کسی صاحبِ نسبت اللہ والے

مصلح کے مشورے سے ذکر ومجاہدہ کی محنت نہ برداشت کی جائے۔ اللہ والے کی صحبت سے جب حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ کا انکشاف قلب پر ہوتا ہے تو ساری کائنات نگاہ سے گر جاتی ہے اور اپنی تمام رنگین خواہشات جو پہلے نہایت قیمتی معلوم ہوتی تھیں اب نہایت بے قیمت معلوم ہوتی ہیں اور ان کے تقاضوں پر عمل نہ کر کے ان کو پامال کرنے کا نقصان چھوٹا اور بے حقیقت نظر آتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ صبر

دین کے خادموں کو بھی اس لئے دشمنوں کی مخالفت اور ایذاء رسانی سے گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت ہے، مصلحت ہے، تربیت ہے کیونکہ اگر چاروں طرف معتقدین اور محبین ہی کا ہجوم ہو تو نفس میں بڑائی آجائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج ایک خط آیا ہے جس میں لکھنے والے نے مجھے اُلّو اور گدھا لکھا ہے، کتنے لوگ مجھے حکیم الامت اور مجدد الملت لکھتے ہیں، اگر ہمیشہ سب یہی لکھتے رہیں تو میرے نفس میں بڑائی آجائے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج میرے عجب و کبر کا علاج ہو گیا۔ یعنی نسبت مع اللہ کا چاند جب کبھی عجب و کبر کے بادلوں میں چھپ جاتا ہے تو مخلوق کی طرف سے اس طرح کی تکلیف پہنچنے سے اللہ تعالیٰ اس کو بادلوں سے نکال دیتے ہیں لہٰذا یہ تکلیف کُونین ہے جو دولتِ کَونین کا سبب ہے، جس سے عجب و کبر کا ملیریا اُتر جاتا ہے۔

انتقام نہ لینے میں ہی فائدہ ہے

ارشاد فرمایا کہ حلم بڑی چیز ہے۔ حلیم الطبع بنو، بدلہ مت لو، ایک دوسرے کے ساتھ گالم گلوچ مت کرو، اگر انتقام لوگے تو میں آپ سے کہہ دیتا ہوں کہ جائز انتقام لینا بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جائز انتقام لینا انسان کی فطرت کے قابو میں نہیں ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کیوں فرماتے: **وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ** کہ اگر صبر کرلو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ کو کسی نے کہا کہ تم اُلّو ہو تو آپ جواب میں اسے خالی اُلّو

نہیں کہیں گے، آپ کہیں گے تم بھی اُلّو تمہارا باپ بھی اُلّو، یا کم سے کم اسے اُلّو کا پٹھا تو کہہ ہی دو گے۔ اگر ایک شخص نے آپ کو مثلاً پچاس ڈگری کی طاقت سے گھونسہ مارا تو کیا آپ اس کو صحیح پچاس ڈگری کی طاقت سے ماریں گے؟ اگر بالکل صحیح پچاس ڈگری سے ماریں گے تب تو جائز ہے لیکن اگر اکیاون (۵۱) ڈگری سے مارا تو آپ ایک ڈگری ظالم ہوجائیں گے۔ اب بتائیے کہ خیر کس میں ہے؟ آپ خود فیصلہ کریں، بھلائی اسی میں ہے کہ انتقام ہی نہ لو تا کہ ظلم کا راستہ بند ہوجائے۔ مظلوم ہوگے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کے ساتھ ہے، صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اگر ظالم، مظلوم سے معافی نہ مانگے تو مظلوم کی آہ ظالم کو ایسی لگتی ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، ظالم سے اللہ تعالیٰ خود بدلہ لیتے ہیں۔

لہٰذا یہ دعا مانگا کیجئے **اَللّٰھُمَّ زَیِّنِّیْ بِالْحِلْمِ** اے اللہ! مجھے حلیم الطبع بنادے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں مانگنا سکھا رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے حلم سے زینت عطا فرما۔ تو حلم کے ذریعہ اپنی زندگی کو مزین کیجئے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کبھی لڑائی ہوجاتی ہے، تاجر تاجر سے، کبھی انکم ٹیکس والوں سے، کبھی پڑوسیوں سے لڑائی ہوجاتی ہے، تو اس کے لئے فرمایا **وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ** اگر تمہارے دشمن تمہیں گالیاں دیں، کچھ بُرا بھلا کہیں تو **مَا یَقُوْلُوْنَ** جو وہ کہتے ہیں اس پر تم صبر کرو **وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا** اور ان سے جدا ہوجاؤ مگر جدائی جمیل ہو یعنی حسین جدائی ہو۔ دشمن سے الگ ہونے کی دو قسمیں ہیں، ایک تو خراب جدائی، ایک حسین جدائی۔ لہٰذا اپنے دشمنوں سے جدائی کو اختیار کرو تو اس میں جمال ہو، خوبصورتی ہو، بدصورتی سے جدائی نہ کرو۔ اب یہ کیسے ہوگا؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ دشمن سے جمال کے ساتھ الگ ہونا یہ ہے کہ:

((اَلْھِجْرَانُ الْجَمِیْلُ الَّذِیْ لَاشِکْوٰی فِیْہِ وَلَا انْتِقَامُ))

(تفسیر بیان القرآن: (ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ ملتان)؛ ج ۳ ص ۵۹۵)

ہجرانِ جمیل وہ ہے جس میں نہ تو شکوہ ہو نہ انتقام ہو، نہ انتقامی جذبات ہوں، اس کی غیبت نہ ہو، اس کا برائی سے تذکرہ نہ ہو۔ لہٰذا اس سے ایسے الگ ہوجاؤ کہ انتقام نہ لو، بلکہ انتقام کا ارادہ بھی نہ ہو، بس صبر سے کام لو اور سب کو معاف کردو۔

کوئی ولی اللہ انتقام لینے والا نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء نے ہمیشہ صبر کیا ہے، انتقام نہیں لیا ہے لیکن چونکہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کا انتقام لیتا ہے، تو خدا کا انتقام ان کے انتقام سے کتنا قوی ہوگا۔ اسی لئے اگر کسی اللہ والے کو یا ان کے غلاموں کو کوئی اذیت پہنچ جائے تو فوراً ان سے معافی مانگو اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگو۔ بعض وقت بزرگوں نے تو معاف کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے معاف نہیں کیا کہ تم اپنا حق معاف کرتے ہو لیکن ہم نہیں معاف کریں گے، جب تک اس کو ہم کسی سزا میں مبتلا نہ کر دیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگنا چاہیے۔

سخت ترین امتحانات انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے متبعین پر آتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا:

((اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ الْاَنْبِیَاءُ

ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب عیادۃ المریض، ص ۱۳۶)

کہ لوگوں میں سے کن پر آزمائش (یعنی محنت و مصیبت) زیادہ آتی ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ انبیاء پر، پھر وہ جو انبیاء کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھے۔ اگر سکونِ قلب، جمعیتِ قلب اور اطمینانِ قلب سے دین کی خدمت مطلوب ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے لئے دشمن نہ پیدا کرتے اور قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل نہ فرماتے:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا (سورۂ انعام: آیت ۱۱۲) جتنے میرے نبی دنیا میں آئے ان میں سے ہر ایک کے لئے میں نے دشمن بنایا، اور اس میں کوئی استثنیٰ بھی نہیں ہے کہ فلاں نبی کے لئے بنایا اور فلاں کے لئے نہیں بنایا، اور اس جعل تکوینی کی نسبت بھی اللہ نے اپنی طرف فرمائی کہ جَعَلْنَا ہم نے بنایا، یہ نہیں کہ کوئی اتفاقی دشمن پیدا ہوگیا۔ اسی کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بھلا ان کا منہ تھا مرے منہ کو آتے
یہ دشمن انہی کے اُبھارے ہوئے ہیں

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک اور ارشادِ مبارک ہے: اَنَا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً (مسند ابی یعلی الموصلی: ج۸ ص ۲۰۷؛ رقم ۴۷۶۹) کہ اللہ نے جتنی بلائیں مجھے دیں کسی پیغمبر کو اتنی بلائیں نہیں دی گئیں۔ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کس قدر ستایا گیا، کافروں نے اونٹ کی اوجھڑی سجدے میں آپ کی گردنِ مبارک پر رکھ دی اور کافر اتنا ہنسے کہ ہنستے ہنستے ایک دوسرے کے اوپر گر گئے۔ طائف کے بازار میں آپ کو پتھر مارے گئے، گالیاں دی گئیں، پاگل، مجنون اور جادوگر کہا گیا، یہاں تک کہ مکہ شریف سے آپ کو ہجرت کرنا پڑی۔ پھر مدینہ شریف میں بھی کیسے کیسے غم آپ نے برداشت کئے اور وہاں بھی کفار نے آپ کو سکون کا سانس نہ لینے دیا، یہاں تک کہ غم اُٹھاتے اُٹھاتے اور مجاہدہ فرماتے فرماتے آپ بوڑھے ہو گئے تو بوڑھے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کو کتنا رحم آیا ہوگا لیکن اس کے باوجود مدینہ پاک میں آپ کے لئے سکونِ قلب سے دین کا کام کرنے کا انتظام نہیں کیا گیا۔ آئے دن جہاد ہوتا رہا۔ روایت میں ہے کہ آپ جہاد سے واپس تشریف لاتے تھے اور اسلحہ اُتار کر زمین پر رکھنے نہ پاتے تھے کہ دوسرے جہاد کی خبر آجاتی تھی۔ ساری زندگی جہاد میں رہنا کتنا بڑا مجاہدہ اور کتنی بڑی تشویش ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے لئے عدو اور دشمن بنائے تو جو اُن کے متبعین ہیں، ان کے لئے بھی حاسد اور دشمن پیدا کئے جائیں گے۔ اس میں اَسرارِ تربیت ہیں، نبیوں کی بھی تربیت ہے کیونکہ وہ ارواحِ انبیاء کا بھی رب ہے اور ارواحِ اولیاء کا بھی رب ہے۔ اس تربیت میں یعنی حاسدین کے ذریعہ ستائے جانے میں بندے میں انتہائی عبدیت پیدا کی جاتی ہے کیونکہ جب لوگ ستاتے ہیں تو دل شکستہ ہوتا ہے، جیسے جیسے دل شکستہ ہوتا جاتا ہے خدا سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیاروں کے لئے یہی پسند ہے کہ ہمیشہ مجاہدے میں رہو اور مشاہدے میں رہو۔ جتنا زبردست مجاہدہ ہوگا اتنا ہی زبردست مشاہدہ ہوگا۔

دشمنوں کا وجود باطنی تربیت وترقی کا سبب

ارشاد فرمایا کہ دشمنوں کا وجود اللہ تعالیٰ نے تکویناً جب پیغمبروں کے لئے مفید بنایا اور تشویشِ قلب اور بے سکونی کے ساتھ دین کی خدمت جب پیغمبروں کے لئے مقدر فرمائی تو اولیاء اللہ کو غم اور تشویش اور دشمنوں کی مخالفت کیوں نہ پیش آئے گی کیونکہ ولایت تابع نبوت ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ تابع نبوت ہوگا اتنی ہی زیادہ اس کی ولایت قوی ہوگی۔ اعلیٰ درجہ کا ولی وہی ہے جو اعلیٰ درجہ کا متبع نبوت ہو۔ پیغمبروں کو جو مراحل ومنازل پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تربیت کے جتنے انواع واقسام واطوار پیغمبروں کے لئے ہیں کماً وکیفاً ان کا کچھ حصہ اولیاء اللہ کو بھی دیا جاتا ہے۔ البتہ وہ بلا ومصیبت انبیاء کے درجہ کی نہیں ہوتی، کم درجہ کی ہوتی ہے کیونکہ اتنی بڑی بلا اولیاء اللہ برداشت نہیں کرسکتے مگر کچھ مشابہت تو ہوتی ہے۔ لہٰذا دشمن کے وجود سے گھبرانا نہیں چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں والا انعام ہم جیسے گنہگاروں کو بھی عطا فرمادیا۔ چونکہ یہ بھی نبیوں والا سرکاری کام کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت کو پھیلا رہا ہے تو جو نبیوں سے جتنا زیادہ قریب ہوگا اتنے ہی زیادہ اس کو نبیوں جیسے حالات پیش آئیں گے۔

تشویش کا تکوینی راز

اور ایک جدید مضمون اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بذریعہ وحی بتادیا تھا کہ فلاں فلاں جو مسجدِ نبوی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، صورتاً صحابی نظر آتے ہیں مگر یہ صحابی نہیں ہیں منافقین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم تھا کہ مدینہ شریف میں سب میرے عاشق نہیں ہیں، میرے جاں نثاروں، وفاداروں اور سچے عاشقوں کے درمیان بدترین دشمن بھی چھپے ہوئے ہیں جو ہماری مصیبت پر خوش ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلبِ مبارک کس قدر مشوش ہوا ہوگا لیکن آپ کی دینی مصلحت اور کمالِ فراستِ نبوت نے ان کو برداشت فرمایا۔ لہٰذا صرف عاشقوں میں رہنے کا ذوق خلافِ ذوقِ نبوت ہے اور ذوقِ تربیتِ الٰہیہ کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں،

اگر چاہتے تو عزرائیل علیہ السلام کو بھیج کر سارے منافقین کی روح قبض کر لیتے کہ میرا پیغمبر ان نالائقوں کی وجہ سے تشویش میں ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے تشویش کو قائم رکھا۔ معلوم ہوا کہ تشویش میں رکھنا بھی ایک تکوینی راز ہے اور اس سے پیغمبروں کی ترقئ درجات مقصود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نبیوں کو دشمن اس لئے نہیں دیتا کہ نعوذ باللہ! وہ عجب و کبر سے محفوظ رہیں کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں، ان میں عجب و کبر پیدا ہی نہیں ہوسکتا، انبیاء سے گناہ کا صدور محال ہے۔ جبکہ اولیاء اللہ چونکہ معصوم نہیں ہوتے، اس لئے مخلوق کی دشمنی و ایذا رسانی عجب و کبر سے ان کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے اور ان کی ترقئ درجات کا بھی ذریعہ ہے اور ان کے تعلق مع اللہ میں اضافہ کا بھی ذریعہ ہے۔

دشمنوں کی مخالفت کی مثال

لہٰذا کسی دشمن کی مخالفت اور اسبابِ تشویش سے دینی خادموں کو دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب چاند چودھویں رات کو بدرِ کامل ہوجاتا ہے تو کتّے زیادہ بھونکتے ہیں، یہ منظر دیکھنا ہو تو کسی گاؤں میں دیکھئے جہاں بجلی کی روشنی نہیں ہوتی، اس لئے ساری رات کتّے بھونکتے ہوئے سنائی دیں گے۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ کیا کتوں کے بھونکنے سے چاند اپنی رفتار کو بدل دیتا ہے؟ اسی طرح اولیاء اللہ جب ترقیاتِ ظاہری و باطنی سے چاند کی طرح کامل ہوجاتے ہیں تو ان کے دشمن اور حاسدین بوجہ حسد کے کتوں کی طرح بھونکنے لگتے ہیں۔ تو جس طرح چاند کتوں کے بھونکنے کے باوجود اپنی رفتار پر قائم رہتا ہے، اسی طرح دین کے خادموں کو چاہیے کہ وہ بھی حاسدین کی پرواہ نہ کریں، اپنے کام میں لگے رہیں اور اللہ کی محبت کو نشر کرتے رہیں اور ان دشمنوں کو اپنی تربیت کے لئے مفید سمجھیں۔

اہل اللہ کا مزاج

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اللہ والوں کے اخلاق کیسے ہوتے ہیں؟ اگر ان کو کسی سے تکلیف پہنچ جائے تو

وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے فرمایا تھا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (سورۂ یوسف: آیت ۹۲) کہ تم پر کوئی الزام نہیں۔ جن بھائیوں سے وہ انتقام لینے پر قادر تھے لیکن فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ہم آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتے، شیطان نے بیچ میں بہکا دیا تھا۔ سارے بھائیوں کی دشمنی کو ابلیس اور اس کی ذرّیات پر ڈال دیا تاکہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو۔ انہوں نے یہ جملہ کیوں کہا کہ شیطان نے ہمارے اور تمہارے درمیان میں گڑبڑ کردی تھی، حالانکہ خود ان بھائیوں نے کی تھی، لیکن آہ! یہ پیغمبرانہ اخلاق دیکھئے! اپنے بھائیوں کو ندامت بھی نہیں ہونے دی کہ میرے بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو اور یہ جملہ کہہ دیا کہ بھائی! تم لوگوں نے تھوڑی کچھ کیا تھا، کمبخت شیطان نے کیا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی مَجَارِی الْقَضَاءِ لَا یُفْنِیْ اَیَّامَہٗ بِمُخَاصَمَۃِ النَّاسِ کہ اس سے تصوف کا ایک بہت بڑا مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفیاء کی نظر ہمیشہ مجاریٔ قضاء پر ہوتی ہے جہاں سے فیصلے جاری ہوتے ہیں۔ مجریٰ کی جمع مجاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے عرشِ اعظم سے صادر ہوتے ہیں تو جو اللہ والے ہیں وہ جہاں سے فیصلے ہوتے ہیں وہاں نظر رکھتے ہیں۔ جن کی نظر اللہ تعالیٰ کے مجاریٔ قضاء پر ہوتی ہے وہ مخلوق کے جھگڑوں میں اپنی زندگی کے دنوں کو ضائع نہیں کرتے کیونکہ جو خلق میں پھنسا پھر وہ خالق کے لئے کہاں رہا؟ جو مخلوق میں پھنسا کہ اس نے یوں کیا، میں بھی ایسا کروں گا، اس نے مجھے کیوں کہا میں بھی اس کو کہوں گا، جو اِن چکروں میں پھنسا تو اس کا دل تو مخلوق میں پھنس گیا، اب خالق کے قابل نہیں رہا۔

اہلِ دنیا کا مزاج

اور جن کی نظر اوپر نہیں ہے، زمین پر دَھرے ہوئے ہیں، آسمان کی طرف نظر نہ کرنے کی وجہ سے آسمان سے محروم ہیں، وہ سب کے سب یُفْنِیْ اَیَّامَہٗ ہیں یعنی ایسے اشخاص اپنی زندگی کو ضائع کررہے ہیں فِیْ خُصُوْمَۃِ النَّاسِ وَفِیْ مُجَادَلَتِھِمْ،

ہر وقت وہ جھگڑتا رہتا ہے کہ اس نے یوں کہا تو میں یوں کہوں گا، اس کی ساری زندگی اسی میں ضائع ہوجاتی ہے۔ اور جن کی نظر عرشِ اعظم پر ہوتی ہے ان کو پتا چلتا ہے کہ جس نے اذیت دی، وہ ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ اس لئے بس ہر ایک سے محبت کرو۔

صبر اور نماز سے دنیا کے غموں کا مداوا

ارشاد فرمایا کہ دنیا کی مصیبت ہو یا دین کی مصیبت، سب سے پہلی تدبیر یہ کرو کہ مسجد کی طرف دوڑو فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ بھاگو اللہ کی طرف۔ دنیا کی مصیبت کیا ہے؟ بیماری آجائے، قرضہ ہوجائے یا کوئی صدمہ اور غم لگ جائے۔ دین کی مصیبت کیا ہے؟ گناہ کا تقاضا ایسا ہونے لگے کہ گناہ میں ابتلاء کا اندیشہ ہونے لگے، دل کا گھبرانا، طبیعت کا سکون جاتا رہنا، ذکر میں دل نہ لگنا۔ اس وقت ہوش وحواس کو سنبھالنا، ہمت سے کام لینا، یہ صبر ہے۔ لیکن صبر آئے گا کیسے؟ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ دیکھو! مصیبت میں نماز سے مدد لینا نص سے ثابت ہے۔ ایک طرف تو حکم دیا ہے کہ خبردار! بے صبری مت کرنا، صبر سے کام لینا، پھر طریقہ بھی بتلا دیا کہ ہوش وحواس کو سنبھال کر ہمت سے کام لینا، اتنا کر کے نماز میں مشغول ہوجانا تاکہ استقامت نصیب ہوجائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ کو اپنانا چاہیے کہ اَجر بھی ملے گا اور کام بھی بنے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔ بچہ کو جب دودھ کی ضرورت پیش آتی ہے تو ماں کی طرف بھاگا جاتا ہے (اسی طرح بندے کو جب کوئی مشکل پیش آئے تو ربّا کی طرف بھاگے)۔

میرے بھانجے کا چھوٹا بیٹا آج صبح روٹی کھا رہا تھا۔ میں نے اس کی روٹی اُٹھالی کہ دیکھوں یہ کیا کرتا ہے؟ روٹی اُٹھا کر میں ایسے کرنے لگا جیسے روٹی لے کر بھاگ جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، اُٹھ کر سیدھا اپنی ماں کے پاس بھاگا ہوا گیا اور کہا کہ اماں! دادا ہماری روٹی چھین رہے ہیں۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ بچہ سمجھتا ہے کہ میرا کام میری ماں ہی کرے گی، مجھ میں تو اتنی طاقت ہے نہیں کہ میں ان کے ہاتھوں میں سے روٹی چھین لوں، وہ اپنی ماں کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔ بچے اور ماں کا جو تعلق ہے،

بندے اور اللہ کا اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن ہم کیونکہ متکبر ہیں، اس لئے اپنے دست و بازو پر نظر رکھتے ہیں کہ ہمارے دست و بازو میں دَم ہے، ہم سے کون روٹی چھین سکتا ہے؟ چھینے گا تو ہم اس کا منہ توڑ دیں گے۔ ہم سے کون گناہ کرا سکتا ہے؟ ہم گناہ سے مقابلہ کی قوت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہزاروں دفعہ اکھاڑے میں چت ہوتے ہیں۔ اگر آپ بڑے شیر ہیں تو ایک بار توبہ کرنے پر دوسری بار کیوں گناہ کرتے ہیں؟ اگر آپ کا ارادہ ہی سب کچھ ہے تو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ جب آدمی کے ارادے ٹوٹتے ہیں، بار بار ٹھوکر کھاتا ہے، اس وقت اس کو اپنی بے دست و پائی معلوم ہوجاتی ہے۔ پھر اس کی نظر اپنے ارادوں پر نہیں رہتی بلکہ اللہ پر ہوجاتی ہے کہ میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوسکتا، سب کچھ آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو گناہ سے بچ جاؤں گا ورنہ ساری شہبازیت دھری رہ جائے گی۔ اللہ والے اپنے دست و بازو پر نظر نہیں رکھتے، ان کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے۔

مصائب پر روزِ قیامت انعامات کی بارش ہوگی

ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مظلوموں کی آہوں اور مصیبت زدوں کے نالوں کا انعام عطا فرمائے گا تو وہ لوگ تمنا کریں گے:

((يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔ رواه الترمذی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب عیادۃ المریض، ص ۱۳۷)

کہ کاش! دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی، کیونکہ وہ جب دیکھیں گے کہ محض کانٹا چبھنے پر یا کسی کے معمولی سے ستا دینے پر یا سوئی چبھ جانے پر جنت کے ایسے ایسے عظیم درجات عطا ہو رہے ہیں تو وہ اس وجہ سے کہیں گے کہ کاش! ہمیں اَور بڑی مصیبت، کھال قینچی سے کاٹے جانے کی عظیم مصیبت پہنچتی تو پھر نہ معلوم کیا عطا ہوجاتا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کراچی سے لاہور تک ریل میں سفر کر رہا ہو اور

راستہ میں اس کو ریل کی سیٹ میں سے کوئی کھٹمل کاٹ لے۔ پھر جب وہ مسافر لاہور اُترے تو ریل کا گارڈ اس کو طلب کرے اور کہے کہ گاڑی میں ایک کھٹمل نے تجھے کاٹ لیا تھا، اس کے بدلے میں مَیں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں تو وہ مسافر کیا کہے گا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک کھٹمل کے کاٹنے پر اتنا انعام ملے گا، اگر مجھے معلوم ہوتا تو ایک کیا آٹھ دس کھٹملوں سے کٹوا لیتا، یہ دولت جو مجھے اس وقت نصیب ہوئی ہے، اس کے مقابلے میں وہ تکلیف کچھ بھی نہیں تھی، اگر اور زیادہ تکلیف پہنچ جاتی تو اور بڑا انعام ملتا۔

دین و دنیا کی تمام پریشانیوں کا حل

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کا لمبا خط آیا ہے جس میں دین و دنیا کی تمام پریشانیاں لکھی ہیں۔ ہمارے اس مجمع میں بھی شاید کوئی ایسا ہو تو غور سے سن لے، بعض حالات بعضوں کے لئے فِٹ (Fit) ہو جاتے ہیں۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور پھر جس طرح سے مالک رکھے راضی رہو، یہ بہترین تدبیر ہے کوئی تدبیر کر کے تو دیکھے۔ بعض لوگوں کو حضرت نے فرمایا کہ تم جو پریشان ہو تو اپنی تجویز سے پریشان ہو، تم نے اپنی زندگی کا کوئی نقشہ سامنے رکھا ہوا ہے، اگر تم مولیٰ کی مرضی پر جینا سیکھ لو اور اپنا نقشہ بکس میں بند کر کے رکھ دو تو اس کا نام تسلیم و تفویض ہے۔ اگر تم اپنی تجویز کو تفویض کر دو تو پریشانی ختم ہو جائے گی۔ جس مومن کو پریشانیاں ہیں وہ تجویز کی وجہ سے ہیں کہ ہمیں یہ کھانا ملنا چاہیے، ہمارا اتنا بڑا گھر ہونا چاہیے، ہمارا کپڑا ایسا ہونا چاہیے، ہمارے لڑکے امریکہ سے میڈیکل کالج کا فرسٹ ڈویژن پاس کر کے ڈگری لے آئیں، لڑکی بھی ڈاکٹرنی بن جائے۔ یہ ساری تجاویز کی وجہ سے پریشانی ہے، اگر تسلیم کا مادہ پیدا ہو جائے، اللہ کی طرف تفویض کر دو تو ان شاء اللہ! کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔

ایک صاحب نے لکھا کہ بہت مقروض ہو گیا ہوں اور جن لوگوں کا قرضہ ہے وہ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں اور میری نیند اُڑی ہوئی ہے، حضرت نے لکھا کہ جو قرض والے ہیں

وہ تم کو زیادہ سے زیادہ جیل میں ڈال سکتے ہیں، تم قید خانے کی قید کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، اگر حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہو کر قید خانے میں جا سکتے ہیں تو تم کیوں اتنا پریشان ہو؟ اس کے بعد ضمانت سے چھوٹ جاؤ گے۔ پھر حکومتِ وقت، جج، عدلیہ تمہاری آمدنی کو ٹٹولے گی کہ تمہاری ماہانہ آمدنی کیا ہے؟ اس لحاظ سے ماہانہ قرض کی ادائیگی کی ایک قسط باندھ دے گی، اب کیا پریشانی ہے؟ جب اس کو خط پہنچا تو اس نے جواب لکھا کہ میری ساری پریشانی دور ہو گئی اور میں ٹانگ پھیلا کر خوب سو رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ جس کا قرضہ ہے یہی تو کرے گا کہ مجھے جیل میں ڈال دے گا۔ یہ تھے حکیم الامت!

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں جون پور میں بے حد مقروض ہو گیا، میرے سب لڑکے بیمار ہو گئے، میں نے حضرت کو دو صفحات کا بڑا لمبا چوڑا خط پریشانی کا لکھا تو حضرت نے جواب لکھا کہ آپ نے اتنی پریشانیاں لکھیں، ایسا لگتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ہی حاصل نہیں، آپ کی آنکھ کی روشنی سلامت ہے، کان کے سننے کی شنوائی سلامت ہے، کہیں فالج نہیں گرا، آپ کو لقوہ نہیں ہوا، اتنی نعمتیں آپ کے پاس ہیں، اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اگر کوئی اور پیر ہوتا تو وظیفہ لکھ دیتا یہ پڑھو یہ ہو جائے گا، یہ پڑھو یہ ہو جائے گا، یا دل و جان سے دعا کرتا ہوں مگر حضرت نے کوئی وظیفہ نہیں لکھا، بلکہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی جو موجودہ نعمتیں ہیں ان کا استحضار کرو کہ کیا ہم اس قابل تھے کہ ہماری آنکھ قائم رہے؟ جو لوگ بدنظری کر رہے ہیں ان کی آنکھوں کی روشنی اس قابل ہے کہ اس کو خدا قائم رکھے یا اس کو اندھا کر دینا چاہیے؟ بتاؤ! شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے سزا نہیں دی۔ بس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جو زیادہ شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شکریہ کے صدقہ میں اس کی نعمت میں اَور اضافہ کرتا ہے اور اس کی پریشانی کو عافیت سے تبدیل کر دیتا ہے۔

دعا کرتے وقت اُمید کو غالب رکھو

ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کچھ تکلیف میں رہتے ہیں، بیماری کی تکلیف ہو یا

کوئی اور غم ہو یا کسی قسم کی ذہنی پریشانی ہو تو دعا اور تدبیر دونوں کریں، سب سے پہلا نمبر دعا کا ہے، دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ وہ دعا جو مشکوٰۃ شریف میں اور شامی کی جلد ۲ میں ہے، وہ بھی پڑھ لیں، دعائے مسنونہ ہے:

((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْاَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَّا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، باب التطوع، ص ۱۱۷)، (شامی: ج ۲ ص ۴۷۳)

یہ دعا آخر تک پڑھ کر اپنی حاجات کے لئے دعا مانگ لو، اور دعا کرتے وقت امید اور حسنِ ظن کو غالب رکھو، یقین سے دعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے، پھر دیکھو دعا کیسے جلد قبول ہوتی ہے۔ دعا تو اسی وقت قبول ہو جاتی ہے، کبھی ظہور دیر سے کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ بندہ اَور مانگتا رہے، اَور مانگے، ابھی اَور مانگے۔ ایک دعا کو کم سے کم تین مرتبہ مانگنا سنت ہے، مثلاً کوئی غم آیا تو آپ کم از کم تین دفعہ مانگو کہ یا اللہ! میرا غم دور کر دے، یا اللہ! میرے غم کو خوشی سے بدل دے، یا اللہ! میری یہ تکلیف دور کر دے، کم از کم تین مرتبہ ربّا کا نام تو منہ سے نکلتا ہے۔ یہ حاجتیں بڑی نعمت ہیں کہ اسی بہانے سے ہم ان کو یاد کرتے ہیں، اور مناجات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کا قرب بھی بڑھاتے ہیں۔

غم و پریشانی کے دور ہونے کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے

اُس کریم مالک سے دین اور دنیا کی سب نعمتیں مانگو، کریم اس ذات کو کہتے ہیں جو بلا استحقاق مہربانی فرما دے، اور ہماری تمناؤں سے زیادہ عطا فرما دے۔ دعا کے بعد جو مناسب تدبیر ہو وہ بھی کرے لیکن پھر اللہ کی رحمت کا منتظر رہے، حدیث شریف ہے:

((اَفۡضَلُ الۡعِبَادَةِ انۡتِظَارُ الۡفَرَجِ۔ رواه الترمذی))

(مشکوٰۃ المصابیح :(قدیمی)؛ کتاب الدعوات؛ ص ۱۹۵)

سب سے بہترین عبادت اللہ کی رحمت کا انتظار کرنا ہے کہ اب رحمت آئی اور میرا غم دور ہوا، اب رحمت آئی اور میری بیماری دور ہوئی۔ غرض امید لگائے بیٹھے ہیں اور مانگتے بھی جا رہے ہیں، ناامید نہ ہونا، کشادگی کا غم و پریشانی کے دور ہونے کا انتظار کرنا یہ افضل العبادات ہے۔ اب اس کی وجہ کیا ہے؟

((لِاَنَّ الصَّبۡرَ فِی الۡبَلَآءِ انۡقِیَادٌ لِّلۡقَضَآءِ))

(مرقاۃ المفاتیح :(مکتبہ رشیدیہ)؛ کتاب الدعوات؛ ج ۵ ص ۱۲۳)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ بلا میں صبر سے رہنا، اللہ کی رحمت کا منتظر رہنا اور اللہ سے شکایت نہ کرنا، یہ اِنۡقِیَادٌ لِّلۡقَضَآءِ ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور قضا کا احترام کرنا ہے کہ مالک جس حال میں چاہے رکھے، ہمارا کام مانگنا اور گڑگڑانا اور دعا کرنا ہے، یہ نہیں کہ اللہ میاں نے ہم ہی کو کیوں تاک رکھا ہے؟ اللہ میاں نے ہم ہی کو کیوں نشانہ بنا رکھا ہے؟ یہ کیوں جس نے لگایا وہ برباد ہوا، شیطان نے کیوں لگایا تھا کہ ہم کو آگ سے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، پھر آپ نے ہمیں سجدہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ کیوں اور چوں چرا کرنا یہ بندوں کا کام نہیں ہے۔

بندگی کی حقیقت

میں کوشش کرنے، تدبیر کرنے سے منع نہیں کر رہا ہوں لیکن اپنے لئے تجویز مت کرو کہ ہمیں تو بس یونہی رہنا ہے۔ دعا کرکے، تدبیر کرکے پھر راضی رہو۔ مانگنا بادشاہت کا بھی جائز ہے لیکن راضی رہو فقیری پر، مانگو تو بریانی اور مرغ اور مچھلی کا کباب لیکن راضی رہو چٹنی روٹی پر۔ ان کی طرف سے جو چیز آ جائے سمجھو کہ اللہ نے بھیجی ہے، اللہ جو پہنا دے پہن لو، جو کھلا دے کھا لو، جہاں رکھے رہ لو، آخر میں بلڈنگوں والے بھی قبروں میں جائیں گے اور جھونپڑی والے بھی قبروں میں جائیں گے۔ نہ یہاں کا عیش و

راحت دائمی ہے اور نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہے گی، دنیا کو آخرت کے آرام اور وہاں کے عذاب سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

مصیبت میں دعا مانگنے کا مزہ

ارشاد فرمایا کہ رنج والم بھی بندے کے لئے نعمت ہے کہ اس اضطرار میں دل سے دعا نکلتی ہے، سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوتی ہے اور لذتِ مناجات عطا ہوتی ہے جو خود ایک عظیم نعمت ہے۔ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعا کا مزہ بھی جب آتا ہے جب دل پر کوئی مصیبت ہو، اسباب کے پردے جل چکے ہوں اور تدبیر کے ناخن گھس چکے ہوں۔ اس پر میری مثنوی اردو کے کچھ اشعار سنئے ؎

ناخنِ تدبیر گھِس جانے کے بعد
پردۂ اسباب جل جانے کے بعد
بس تری جانب ہے اب میری نگاہ
ناؤ میری پار ہو میرے الٰہ
گر تُو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید
جس کو تیری راہ سے جو بھی ملا
وہ ترے دستِ کرم سے ہی ملا

مجاہدے کے بعد اطمینان کا مزہ آتا ہے، ہر شے اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے، جیسے چھٹی کا مزہ مشغولی کے بعد ہے، اگر ہر وقت چھٹی رہے تو مزہ بھی نہیں آئے گا، آرام کا مزہ تھکاوٹ کے بعد ہے۔ تو دنیاوی مشکلات، پریشانیاں ہمارے دل کو، مومن کے دل کو خوشی پہنچانے کے لئے آتی ہیں۔ اگر ہمیشہ عافیت و راحت ہی رہے تو مزاجِ عبدیت استقامت سے ہٹ جائے، بغیر تکلیف و مصیبت کے زاری و شکستگی پیدا نہیں ہوتی۔

حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس رہتا ہوں:

((اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ))

(مرقاۃ المفاتیح: ج ۴ ص ۸۔ التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف: ص ۱۶۳)

اور صبر سے دل ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صبر تلخ ہوتا ہے۔ حزن وغم کی حالت میں جس توجہ، عاجزی واضطرار کے ساتھ بندہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات وگریہ وزاری کرتا ہے یہ اضطرار راحت وعیش کی حالت میں کیسے پیدا ہوسکتا تھا۔ یہی مصیبت اس کو اللہ تعالیٰ تک پہنچادیتی ہے اور قلب میں حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنیٔ خلق رحمت ہوگئی

کوئی پریشانی ہو، اللہ کے حوالے کرکے مطمئن ہوجاؤ

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی پریشانی میں مبتلا ہو، خواہ بیماری ہو یا روزی کی کمی ہو، تجارت میں نقصان ہورہا ہو، یا کوئی دشمن پیچھے لگ گیا ہو، ہر پریشانی کا علاج، ہر قسم کے دُکھ کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے، اللہ کے حوالے کردو، اور جیسے حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن کا اعتقاد جب مقدر پر ہے تو اسے مکدر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ بس اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہے۔

تمام مشکلات کا حل استغفار اور دعا کرنا ہے

ارشاد فرمایا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ارشادِ مبارک ہے جس میں ہمارے تمام مصائبِ آسمانیہ اور مصائبِ زمینیہ سے نجات کا حل بیان فرمایا گیا ہے۔ ہمارے بہت سے احباب کسی نہ کسی پریشانی، غم یا مصیبت میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ کسی آسمانی غم میں مبتلا ہیں یعنی ان کو کوئی مستقل مرض لاحق ہے اور بعض لوگ مخلوق کی طرف سے ستائے جارہے ہیں۔ تو ہر مصائبِ آسمانیہ اور مصائبِ زمینیہ سے نجات کا وہ راستہ آج بتارہا ہوں جو چودہ سو

برس پہلے اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ نبوت سے اپنے بندوں کے غم کا مداوا نازل فرمایا کہ جو لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہیں وہ یہ کام کریں، کسی بھی مصیبت میں مبتلا ہوں چاہے مخلوق کی طرف سے اذیت پہنچ رہی ہو یا آسمان کی طرف سے کوئی بلا آ گئی ہو جیسے گردے بیکار ہو گئے ہوں، کینسر ہو رہا ہو، اس میں ہر بلا کا علاج ہے۔ اس سے بہتر کوئی مداوا، کوئی ہسپتال، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہے حتیٰ کہ ڈاکٹر کے اختیار میں بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ حدیث شریف یہ ہے:

((مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضَیْقٍ مَّخْرَجًا وَّمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجۃ))
(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الدعوات؛ ص ۲۰۴)

کہ جو کثرت سے استغفار کرتا ہے، لزوم بمعنی کثرت کے ہے، یہ شرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یعنی جو استغفار کی کثرت کرے گا اسے تین نعمتیں ملیں گی۔ آج کل ہمارے جو حالات ہیں تو استغفار کی کثرت کی جائے کیونکہ ہمارے لئے مشکل کا حل صرف اللہ سے مغفرت مانگنا ہے، چھوٹا بچہ ابّا سے مانگتا رہے، بندہ ربّا سے گڑگڑاتا رہے ؎

غم چو آید زود استغفار کن

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہیں کہ غم جب آئے تو دو دو رکعات پڑھ کے رونا شروع کر دو کہ اے اللہ! میری مصیبت دور کر دے، میری نالائقیوں اور گناہوں کو معاف فرما دے۔ ماضی کے گناہوں سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے، لیکن یہ استغفار مکمل کب ہوگا، جب توبہ بھی کرو گے: اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْہِ، اللہ تعالیٰ نے توبہ اور استغفار کو الگ الگ نازل کیا۔ بعض لوگ استغفار و توبہ کو ایک ہی سمجھتے ہیں، اگر یہ ایک ہی ہوتا تو ''ثُمَّ'' حرفِ عطف نازل ہی نہ ہوتا۔ معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت لازم ہے یعنی استغفار الگ ہے اور توبہ الگ ہے۔ استغفار کیا ہے؟ ماضی کے گناہوں کی معافی، اے اللہ! میرے ماضی کے گناہوں کو معاف کر دیجئے۔ اور توبہ کیا ہے؟ اے اللہ! اب آئندہ آپ کو ناراض نہیں کروں گا۔

ہر مصیبت سے نجات کا چودہ سو برس پرانا نسخہ

تو حدیث شریف کی اس بشارت کی رو سے جو کثرت سے استغفار کرے گا اسے یہ تین نعمتیں ملیں گی:

نمبر (۱) جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضَیْقٍ مَّخْرَجًا اللہ تعالیٰ اس کو ہر پریشانی سے نکال دیں گے، جس مصیبت میں بھی ہوگا اس سے نجات مل جائے گی، ضیق کے معنی ہیں گھٹن، تنگی، پریشانی، اور مخرج کہتے ہیں نکلنے کے راستہ کو۔ ہر گھٹن اور غم سے نجات کا راستہ بزبانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سن رہے ہیں۔ چودہ سو برس پہلے جو اعلان ہوا تھا، آج اختر مسجدِ اشرف میں آپ لوگوں کو سنا رہا ہے۔

نمبر (۲) وَمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا اور وہ غم جو اس کو گھلا رہا ہو اس سے بھی کشادگی عطا ہوگی، راستہ پیدا کر دیا جائے گا، ہر شدید بڑے سے بڑے غم سے رہائی کا راستہ مل جائے گا۔ جہاں آپ کو مایوسی ہوتی ہوگی کہ اب ہم تو مر ہی جائیں گے یا دشمن ہمیں مار ہی دے گا، ان شاء اللہ! دشمن کو اللہ تعالیٰ مار دے گا۔ جو اللہ کو یاد کرتا ہے اور اللہ کا ولی بنتا ہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا ہے تو جو دشمن دھمکی دیتے ہیں کہ تم کو قتل کر دیں گے، اللہ ان دشمنوں کو دَھمک دیتا ہے، اللہ کے دوستوں کو دھمکانے والوں کو خدا دَھمک دیتا ہے۔

توبہ و استغفار کرنے والے پر بے حساب روزی کی بارش

نمبر (۳) وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیا جائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا کہ میں کیا تھا اور کیا سے کیا ہوتا جا رہا ہوں۔ کتنا غریب تھا، اللہ تعالیٰ نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، بے حساب روزی دے گا۔ ظاہری روزی بھی دے گا اور باطنی روزی بھی دے گا، دل میں بھی اپنی محبت کی روزی اللہ تعالیٰ بے حساب دے گا۔ مگر اللہ جسے بے حساب روزی دے وہ اللہ کے راستے میں بے حساب خرچ بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ تو بے حساب دے اور اس کے راستے میں دیتے وقت حساب لگاتے ہو؟ جب اللہ بے حساب دے تو اللہ پر بے حساب فدا بھی کرو۔

تقویٰ کے چند مزید انعامات

استغفار کے یہ تین انعامات زبانِ نبوت نے بیان فرمائے، اس کے علاوہ بھی اللہ نے بہت انعامات گناہوں کے چھوڑنے اور تقویٰ اختیار کرنے کے رکھے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَنْ یَّتَّقِ اللہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اس کے سب کام آسان کردیں گے۔ آپ کا کوئی دوست روزانہ آپ کے پاس آکر آپ کا دل بہلاتا ہو اور پھر وہ کسی مصیبت میں پھنس جانے کی وجہ سے نہ آئے تو اگر آپ واقعی دوست ہیں تو فوراً اس کی مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ پھر آتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندے کی آہ وزاری، اس کی مناجات اور اس کا اللہ اللہ کرنا محبوب ہے۔ جب وہ کسی مصیبت میں پھنستا ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تاکہ میرا بندہ پھر میرے حضور میں آئے، جلدی سے مصیبت ٹالنے کا راز یہ ہے، یہ رازِ دوستی ہے۔ اور ایک جگہ اللہ پاک نے فرمایا: اِنْ تَتَّقُوا اللہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا کہ اگر تم گناہ چھوڑ دو تو ہم تم کو ایک نور عطا کریں گے جس سے تمہیں بھلائی اور برائی میں تمیز پیدا ہوگی۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ پر یہ سارے انعامات تو ہم دیں گے ہی، سب سے بڑا انعام یہ دیں گے: اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کہ تمہاری غلامی کے سر پر اپنی دوستی کا تاج رکھ دیں گے یعنی تم کو ولی اللہ بنادیں گے، اس سے بڑھ کر تقویٰ کا کیا انعام ہوسکتا ہے۔

دعا مانگنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے

ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (سورۂ مؤمن: آیت ۶۰) مجھے پکارو، مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔ اور دوسری جگہ فرمایا: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ (سورۂ نمل: آیت ۶۲) جب کوئی اضطرار کے ساتھ دعا کرتا ہے تو کون قبول کرتا ہے سوائے اللہ کے۔ اللہ تعالیٰ سوال فرما کر اقرار فرما رہے ہیں، اسے استفہامِ اقراری کہتے ہیں یعنی میرے سوا تمہاری دعاؤں کا کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے۔ بظاہر تو سوال ہے لیکن سوال کی دو قسمیں ہیں، ایک استفہامِ اقراری کہلاتا ہے،

دوسرے کو استفہامِ انکاری کہتے ہیں، یہاں استفہامِ اقراری ہے یعنی اللہ کے سوا کون ہے تمہاری دعاؤں کو قبول کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ کو گڑگڑا کر دعا مانگنے والے محبوب ہیں

تو اللہ تعالیٰ نے استفہامِ اقراری سے یہ اعلان فرمایا اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ کون ہے جو حالتِ اضطرار میں مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اللہ کو پکارتا ہے۔ لہٰذا دعا کے قبول ہونے کی ایک شان تو اس آیت میں بیان کی گئی اور دوسری شان اس حدیث میں ہے اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الۡمُلِحِّیۡنَ فِی الدُّعَاءِ (شعب الایمان: باب الرجاء من اللہ تعالیٰ، ج ۲ ص ۳۶۴) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں، آگے اسمِ فاعل آرہا ہے جو اَلَّذِیۡنَ کے معنیٰ میں الف لام میں موجود ہے، جو لوگ اپنی دعاؤں میں الحاح کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، عبارت یوں ہوجائے گی اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُلِحُّوۡنَ فِی الدُّعَاءِ۔ مُلِحِّیۡنَ کس کو کہتے ہیں؟ اِلۡحَاح، بابِ افعال سے ہے، اس میں دو ''حا'' ہیں، اس لئے ادغام ہوگیا۔ اَلۡمُلِحِّیۡنَ کے معنیٰ ہیں اَلَّذِیۡنَ اَلَحُّوۡا فِی الدُّعَاءِ جو لوگ دعا میں الحاح کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، الحاح معنیٰ اَڑ کے مانگنا، گڑگڑا کر مانگنا جیسے چھوٹے بچے کہتے ہیں ابّا ہم ٹافی لیں گے، لیں گے، ابّا مجھے ٹافی دو، کتنا ہی اس کو بھگاؤ کہ ہٹو! اس وقت میں ضروری کام کررہا ہوں مگر وہ نہیں مانتے، کہتے ہیں ہم نہیں جانتے، ہمیں تو ٹافی ضروری ہے۔ ابّا کہتے ہیں اس وقت ہم ضروری کام میں مشغول ہیں، اور بیٹا کیا کہتا ہے؟ چھوٹا سا بچہ، وہ کہتا ہے آپ کا ضروری کام ہوگا، ہمارا تو ضروری کام ٹافی ہے، ہم کو ٹافی دیجئے، اس کے بغیر ہم ہٹیں گے نہیں۔ جب تین چار دفعہ وہ ضد کرتا ہے تو باپ بھی جان چھڑاتا ہے، کہتا ہے بھئی اچھا لے! بھاگ جا یہاں سے۔

ساری عمر اللہ سے مانگتے رہیں، وہ کبھی تنگ نہیں ہوتے

لیکن اللہ کے پاس معاملہ دوسرا ہے، ابّا تو جان چھڑانے کے لئے ٹافی دے کر بھگا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ جان نہیں چھڑاتے بلکہ محبت فرماتے ہیں، بندے کی اس ادا سے

اَور زیادہ خوش ہوجاتے ہیں۔ جو اَڑ کر مانگے کہ ہم تو لے کے رہیں گے، بغیر آپ سے لئے ہوئے ہٹیں گے نہیں، اگر آپ نہیں دیں گے تو ہمیں کون دے گا؟ آپ ہی تو ہمارے ربّا ہیں، اورا کیلے ربّا ہیں، ہمارا کوئی دوسرا رب بھی نہیں ہے، یہی تو میری آخری چوکھٹ ہے، آخری دروازہ ہے اور واحد دروازہ ہے، تو ایسے گڑگڑا گڑگڑا کر مانگنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں، اس کو محبوب بنالیتے ہیں۔ لیجیے صاحب، دنیا میں کسی سے مانگئے تو کہتے ہیں کہ بابا معاف کرو، تنگ مت کرو۔ لیکن اللہ سے جو لوگ گڑگڑاتے ہیں، چاہے تمام عمر گڑگڑاتے رہیں، کبھی اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے کہ بھاگو یہاں سے، تنگ مت کرو۔

کثرتِ دعا سے کام بنتا ہے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دے رہے ہیں کہ بار بار گڑگڑا گڑگڑا کے مانگنا، اَڑ کے مانگنا کہ اے اللہ! اگر آپ نہیں دیں گے تو کون دے گا، بس آپ ہمیں دے دیجئے، تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محبوب فرمالیتے ہیں۔ اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ نے موٹر سائیکل یا موٹر کار مانگی اور گڑگڑا کر مانگی، یا اپنی اصلاح اور تزکیہ مانگا کہ اے اللہ! میری اصلاح فرمادے، میرا تزکیہ فرمادے، گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق دے دے، یا اپنی صحت مانگی، دنیا یا آخرت کی جس نعمت پر آپ اَڑے ہوئے ہیں تو روزانہ دو رکعات صلوٰۃِ حاجت پڑھ کر تین تین دفعہ مانگئے۔ چوبیس گھنٹے میں کم از کم تین مرتبہ صلوٰۃِ حاجت پڑھیے تاکہ کثرت سے مانگنا ثابت ہوجائے کیونکہ عربی میں جمع کا لفظ تین کے لئے آتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں نابینا ہوگئے تھے، آپ کی والدہ نے آپ کی بینائی کے لئے اس قدر دعا کی کہ ایک مرتبہ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی:

((كَانَتْ اُمُّهٗ مُسْتَجَابَةَ الدَّعْوَةِ تُوُفِّيَ اَبُوْهُ وَهُوَ صَغِيْرٌ فَنَشَأَ فِيْ حِجْرِ وَالِدَتِهٖ ثُمَّ عَمِيَ وَقَدْ عَجَزَ الْاَطِبَّاءُ عَنْ مُّعَالَجَتِهٖ فَرَأَتْ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِلًا لَّهَا قَدْ رَدَّ اللهُ عَلَى ابْنِكِ بَصَرَهٗ بِكَثْرَةِ دُعَائِكِ لَهٗ فَاَصْبَحَ وَقَدْ رَدَّ اللهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ مقدمۃ المؤلف، ج ۱ ص ۵۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی والدہ سے فرمایا کہ اللہ نے تیرے بیٹے کی بصارت (بینائی) لوٹادی تیری کثرتِ دعا سے۔ صبح اُٹھ کر دیکھا تو بینائی آچکی تھی۔ معلوم ہوا کہ کثرتِ دعا سے کام بنتا ہے، دو چار دن دعا کر کے چھوڑ نا نہیں چاہیے، دعا میں لگے رہو۔ بعض لوگ دو تین دفعہ مانگ کر پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں یا مایوس ہو جاتے ہیں کہ تین تین مرتبہ مانگا، دو دو رکعت بھی پڑھی، اللہ نے کہاں دیا؟ نعوذ باللہ۔ انبیاء علیہم السلام کی بعض دعائیں چالیس چالیس سال کے بعد قبول ہوئی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کا ظہور چالیس سال کے بعد ہوا، اور ایک روایت کے مطابق اسّی برس کے بعد ہوا۔ (بحوالہ تفسیر جلالین تحت سورۃ یوسف، آیۃ ۱۰۰)

جب کوئی غم، پریشانی، فکر ہو تو اللہ سے فریاد شروع کردو

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی غم، پریشانی، فکر لاحق ہوتی تھی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلٰوةِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ باب صلوٰۃ الخسوف؛ ج ۳ ص ۵۳۱)

مالک سے فریاد نہ کریں گے تو کس سے کریں گے؟ ایسے موقع پر کثرت سے دعا کرو، مایوس نہ ہونا چاہیے۔ کثرت سے دعا مانگنے کا حکم کیوں ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو جس بندے کو ۸۰ر سال زندہ رکھنا ہے تو اس کو اسّی برس کا روٹی، کپڑا، پیسہ سب اکٹھا دے دیتے لیکن نہیں، تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں تاکہ جب ختم ہو تو پھر مجھ سے فریاد کرے، دعا مانگے، جیسے کوئی باپ اپنے بچے کو کہیں تعلیم کے لئے بھیجتا ہے تو چار پانچ سال کا خرچ اکٹھا نہیں دیتا، ہر ماہ دیتا ہے تاکہ جب خرچ ختم ہو جائے تو مجھے خط لکھے کہ ابّا! پیسے ختم ہو گئے ہیں اور بھیجو۔ لہٰذا کیسی ہی پریشانی ہو دعا سے غافل نہیں ہونا چاہیے، دعا میں وہ اثر ہے کہ جہاں اسباب ناکام ہو جاتے ہیں وہاں دعا کام کر جاتی ہے۔

یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی، وہی جانتے ہیں کہ غم کی آگ سے

ایمان اور اخلاص کے نور میں کیا ترقی ہو رہی ہے اور جنت میں اس صبر کا کیا درجہ ملنے والا ہے جو مجاہدہ اختیاری سے ہرگز نہ مل سکتا تھا۔ پردیس کے دن کٹ ہی جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصائب کو یاد کرے، اس سے تقویت ہوگی۔ اللہ والوں کی صحبت میں حاضری دے اور ان سے اپنے حالات کہہ کر مشورہ لیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے ضعف و عجز کا اقرار کرتے ہوئے عافیتِ دارین طلب کرتا رہے اور ان کے ارحم الراحمین ہونے کی صفت کو اور حکیم ہونے کی صفت کو بھی خوب سوچے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ کبھی چھوٹی مصیبت بڑی مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہوا کرتی ہے، بس یوں کہے کہ اے اللہ! شکر ہے اس سے بڑی مصیبت نہ آئی اور اے اللہ! ہم ضعیف ہیں اس کو بھی اپنی رحمت سے نعمتِ عافیت سے تبدیل فرما دیجئے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کوئی مصیبت آئے تو سمجھو کہ سستے چھوٹے کہ اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں آئی۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک شخص جونپور آ رہا تھا اور اس کی عدالت میں پیشی تھی، مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آ رہا تھا۔ ٹرین میں حضرت کے ساتھ بیٹھا تھا، جب جونپور ریلوے اسٹیشن پر اُترا تو معلوم ہوا کہ اس کا لوٹا ہی چوری ہو گیا یا کہیں اس نے رکھا اور اُٹھانا بھول گیا، لوٹا غائب ہو گیا تو اَب وہ کچھ غمگین تھا۔ آپ کہیں گے بھئی! لوٹے کا اتنا غم ہوتا ہے، جی ہاں وہاں غربت کے زمانہ میں ایک لوٹے کے گم ہونے کا بھی بڑا غم ہوتا تھا، ایک روپیہ بھی گم ہو جاتا تھا تو آدمی دیر تک سر کھجلاتا تھا اور انا للہ پڑھتا تھا۔ اس کو بہت غم ہو رہا تھا تو حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایسا علاج کیا کہ وہ ہنس پڑا اور لوٹے کا غم بھول گیا۔ وہ کیا علاج کیا؟ حضرت نے اس سے فرمایا کہ میاں! تمہیں لوٹے کا غم ہے، ارے شکر کرو کہ تمہارے عدالتی کاغذات جو ضروری تھے، وہ گم نہیں ہوئے ورنہ پیشی کے وقت تم بغلیں جھانکتے کہ ہائے میرے ضروری کاغذات کہاں رہ گئے؟ اور تمہارا مقدمہ خارج ہو جاتا، مقدمہ ہی ہار جاتے۔ شکر کرو کہ ضروری کاغذات کی جو پوٹلی تم نے کپڑے میں لپیٹی ہوئی تھی، وہ کوئی چُرا کر نہیں لے گیا۔

دعا کی قبولیت کی مختلف صورتیں

ارشاد فرمایا کہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ دعا تو ہمیشہ قبول ہی قبول ہے لیکن قبولیت کی کئی صورتیں ہیں، اگر ان کا علم نہیں ہوگا تو شیطان مایوس کر دے گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَّيْسَ فِيْهَا اِثْمٌ وَّلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلِهَا قَالُوْا اِذًا نُّكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَكْثَرُ۔ رواہ احمد))

(مشکوۃ المصابیح:(قدیمی)؛ کتاب الدعوات، ص۱۹۶)

مسلمان کی کوئی دعا ایسی نہیں کہ جو قبول نہ ہوتی ہو مگر قبولیت کی کئی صورتیں ہیں، **نمبر ۱**۔ دعا کی قبولیت کی پہلی صورت یہ ہے کہ بندہ جو دعا مانگے، اللہ تعالیٰ وہی چیز اس کو دے دیں، **نمبر ۲**۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم جو چیز مانگ رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمارے لئے خیر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو آخرت میں ذخیرہ کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہماری جو دعائیں دنیا میں قبول نہیں ہوئیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر اتنا زیادہ اَجر عطا کریں گے، ان کا اتنا زیادہ بدلہ دیں گے کہ مومن یہ کہے گا کہ کاش! دنیا میں میری کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی، لہٰذا دوسری صورت دعا کی قبولیت کی یہ ہے کہ اس کا اَجر آخرت میں ملے گا۔ **نمبر ۳**۔ یا پھر اس دعا کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس سے کوئی مصیبت دور کر دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ کبھی درجات بلند کرنے کے لئے بھی دعا کی قبولیت میں دیر ہوتی ہے، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جب یہ سنا کہ دعا کی قبولیت کی اتنی اتنی صورتیں ہیں تو انہوں نے عرض کیا: اِذًا نُّكْثِرُ یعنی پھر تو ہم دعا میں خوب کثرت کریں گے، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر فرمایا: اَللّٰهُ اَكْثَرُ، اللہ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے، اس کے خزانے لامحدود ہیں۔

ڈاکٹر اگر مایوس کرے تو بھی اللہ سے ناامید مت ہو

دوستو! تمام خزانوں کا مالک اللہ ہے: **وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔** مگر اپنے خزانوں سے بے نیاز ہے، وہ خزانے اپنے بندوں کے لئے بنائے ہیں، ہمارے مانگنے میں کمی ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری کوئی دعا ایسی نہیں جو قبول نہ ہوئی ہو، جو قبول نہیں ہوئی تو میرے مانگنے ہی میں کمی تھی۔ مانگنے کا بھی ڈھنگ ہوتا ہے، درد بھرے دل اور اَشکبار آنکھوں سے مانگنے سے کام بنتا ہے۔ آج سے بہت برس پہلے ایک شخص نے کہا کہ میرے مرض کے لئے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ اچھا نہیں ہوگا، میں نے اس سے کہا کہ ڈاکٹر نے تمہیں مایوس کیا ہے، مخلوق نے مایوس کیا ہے، خالق نے تو مایوس نہیں کیا، تم روزانہ تین مرتبہ دو دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھو اور اللہ سے گڑگڑا کر مانگو۔ بس جناب! اس نے خوب مانگا، سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر کر دیا، کچھ مہینے بعد ہنستا ہوا آیا کہ میری بیماری بغیر کسی دوا کے اچھی ہوگئی۔ یہی حال روحانی بیماری کا بھی ہے، اگر کسی کا دس بیس سال سے بزرگوں کے پاس آنا جانا ہے، مگر پھر بھی بعضوں کو گناہ کی ایسی عادت ہے کہ بار بار ان کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے، شیطان کہتا ہے کہ میاں! خانقاہوں میں آتے جاتے، اللہ والوں سے ملتے جلتے، توبہ کرتے ہوئے بیس سال ہوگئے لیکن پھر بھی تمہارا حال خراب ہے، لہٰذا خانقاہوں میں جانے کا کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا علاج بھی وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے روؤ، بزرگوں کے مشورے پر عمل کرتے رہو، دو دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن ان کا کرم آئے گا، اور جب ان کا کرم آئے گا تو پھر آپ دیکھیں گے کہ گلستان است گلستان است گلستاں۔

لرزا دینے والے مصائب میں حکمتِ الٰہیہ کی مثال

ارشاد فرمایا کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ایسی راہوں سے پیار دیتے ہیں جو بظاہر بہت خونریز نظر آتی ہیں، بعض اوقات ایسے مصائب آتے ہیں کہ دل لرز جاتا ہے کہ اس مصیبت کا کیا انجام ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کسی مصیبت کو

رائیگاں نہیں جانے دیتے بشرطیکہ ان سے رجوع رہے، اللہ سے مانگنا نہ چھوڑے، چاہے مرجائے مگر آخری سانس تک اللہ سے لپٹا رہے۔ دیکھو! حضرت یوسف علیہ السلام پر کیا کیا مصائب اور پریشانیاں آئیں، کنویں میں ڈالے گئے، غلام بنائے گئے، پھر کتنا عرصہ قید خانے میں گذارنا پڑا لیکن ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی معیتِ خاصہ سے مشرف رہے۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر کتنا غم آیا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، **وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ** (سورۂ یوسف: آیت ۸۴)۔ حضرت یوسف علیہ السلام میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر کنویں میں تھے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتایا نہیں گیا۔ خدا دیکھ رہا تھا کہ غم سے میرے نبی کی آنکھیں سفید ہو رہی ہیں لیکن کبھی تربیت کے لئے، تکمیلِ محبت کے لئے، اصلاحِ نفس کے لئے اور درجات کی بلندی کے لئے غم بھی پہنچانا ضروری ہوتا ہے، یہاں بھی درجات کی بلندی مقصود تھی کیونکہ وہ نبی تھے۔ جب تک اللہ نے چاہا کہ ان کو غم سے اعلیٰ درجہ پر پہنچادیں، اس وقت تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی اجازت نہیں تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتاتے کہ یوسف علیہ السلام قید خانے میں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے غمِ یوسف علیہ السلام کی حکمت

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں جو روتے روتے سفید ہوگئیں تو یہ قالب کا غم تھا، **فَہُوَ کَظِیۡمٌ** اور آپ اندر ہی اندر گُھٹ رہے تھے، یہ قلب کا غم تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ظاہری غم بھی دیا اور باطنی غم بھی دیا تاکہ تمام دنیا کو پتا چل جائے کہ اللہ کے عاشقوں کا یہ حال ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تاریخِ عشق بیان فرما رہے ہیں کہ میرے عاشقوں کے ساتھ قلباً اور قالباً ایسا ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے پیارے اور پیغمبر تھے پھر بھی ان پر غم آیا لہٰذا اگر کبھی غم آئے تو یہ مت سمجھو کہ ہم اللہ کے پیارے نہیں ہیں، اگر اللہ کے یہاں ہمارا کوئی درجہ ہوتا تو ہم پر یہ غم نہ آتا۔ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کا درجہ نہیں تھا؟ کیا وہ پیغمبر نہیں تھے؟ لہٰذا جب غم آئے تو یہ وسوسہ بھی مت لاؤ، یہ سمجھو کہ ہم پیارے ہیں لیکن ہمیں کوئی بڑا درجہ دینا ہے، اس غم سے اس کا توازن قائم کرنا ہے۔ اس کی

دلیل وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ہے (سورۂ انشراح: آیت ۴) کہ وہاں اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ پہلے آیا ہے، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا غم دیا گیا کہ آپ کی کمر ٹوٹی ہوئی تھی لیکن پھر اللہ نے اس غم کو ہٹالیا کیونکہ اب غم دینے کی ضرورت نہیں رہی، صلاحیت پیدا ہوگئی، وَرَفَعۡنَا کے تحمل کا جب آپ کو مقام نصیب ہوگیا تو وَوَضَعۡنَا عطا ہوگیا یعنی اللہ نے غم کو ہٹالیا۔ بتاؤ بھئی! جب بریانی پک جائے تو کیا اس وقت بھی چولہے میں لکڑی ڈالتے ہو، آگ جلاتے ہو؟ اگر ایسا کرو گے تو بریانی جل جائے گی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون حکیم ہوگا۔ وہ اسی کو غم دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اسی کو غم بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

مرضِ جسمانی وروحانی دونوں میں مایوس نہیں ہونا چاہیے

لہٰذا اگر دعا بظاہر قبول نہ ہو تو بھی اللہ سے مانگتا رہے، دعا مانگنا خود بہت بڑا انعام ہے، دعا مانگے جائے اور قبولیت کی امید رکھے، ان شاء اللہ! مصیبت ٹل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قبول تو فوراً فرما لیتے ہیں ظہور دیر سے کرتے ہیں، یہ ان کی حکمت ہے۔ جیسے ابّا سے کوئی آٹھ سال کا بچہ کار مانگنے لگے تو باپ کہتا ہے ابھی ایکسیڈنٹ کردو گے؟ انتظار کرو، جب ہم دیکھیں گے کہ تم بڑے ہوگئے، تمہاری صحت خوب اچھی ہوگئی، پھر ہم تمہیں کار دے دیں گے۔ تو قبول تو اسی وقت کرلیا لیکن جلد دینے سے ابّا نے دیر کی، تو کیا ابّا نے ظلم کیا؟ بیٹے کی مصلحت دیکھی کہ بیٹا ابھی اپنی نعمت کی حفاظت پر قدرت نہیں رکھتا، اس لئے نعمت دینے میں دیر کی۔ تو کبھی ہم نعمت کی حفاظت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، تو اللہ تعالیٰ بھی قبول تو فوراً کرلیتے ہیں مگر ظہور دیر سے کرتے ہیں، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے، اور ساتھ ساتھ ایک انعام اَور بھی ملتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ اشکبار آنکھوں سے کہتا ہے یا اللہ! یا اللہ! یا خدا! تو یہ ادا اور یہ الفاظ اللہ کو بہت پسند آتے ہیں ؎

بندۂ مومن تضرع می کند	او نمی داند بجز تو مستند

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ایک مومن بندہ آپ سے گڑگڑا رہا ہے، آپ کے سوا

کسی کو اپنا خدا بھی نہیں سمجھتا، مشکل کشا بھی نہیں جانتا، آپ ہی کو خدا سمجھتا ہے، آپ ہی اس کا سہارا ہیں، تو آپ جلدی کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ تو اللہ تعالیٰ کے جواب کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عاشقانہ انداز میں یوں فرماتے ہیں ؎

واں خدایا گفتن و آں راز او	خوش ہمی آید مرا آواز او
نالۂ مومن ہمیں داریم دوست	گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اوست

کہ اے فرشتو! میں اس مومن بندے کو ذلیل اور حقیر سمجھ کر دعا کی قبولیت میں دیر نہیں کر رہا ہوں، اس کی دعا، اس کے آہ و نالے، اس کے آنسو مجھے بہت پسند ہیں، میں نے قبول تو کر لیا لیکن اگر اس کو پتا چل گیا کہ دعا قبول ہوگئی تو یہ غفلت میں مبتلا ہو جائے گا، اس کی یہ حاجت اور پریشانی غفلت سے اس کو پکڑ کر میری چوکھٹ پر لائی ہے۔ قبول تو کر لیا، اگر ظہور بھی کر دیا تو چوکڑی مار کر بھاگ جائے گا۔ جس طرح باپ اپنے بچوں کی تمام آرزوئیں بیک وقت پوری نہیں کرتا، رفتہ رفتہ کرتا ہے، آج ایک آرزو پوری کر کے پھر انتظار کرتا ہے کہ بچہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر ہم سے مانگے۔ بچہ کا اس طرح بار بار سوال کرنا باپ کو اچھا لگتا ہے، اس کو مزہ آتا ہے جب بچہ اپنی احتیاج لے کر ابّا ابّا کہتا ہوا دوڑا آتا ہے اور ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ ابّا پیسہ دے دو، اسی طرح حق تعالیٰ کی رحمت کو بھی یہ اچھا لگتا ہے کہ ان کے بندے بار بار ان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنی احتیاج پیش کرتے رہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ایسا قبول کرتے ہیں کہ بندے کو معلوم نہ ہو، جیسے ابّا بیٹے کو تو نہیں مگر اپنے دوستوں کو بتا دیتا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کے لئے موٹر کا ارادہ کر لیا ہے لیکن ابھی بیٹے کو مت بتانا۔

اللہ کے عاشق دعا میں اللہ سے گفتگو کا لطف لیتے ہیں

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ مجھ سے مانگو اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں ضرور قبول کروں گا۔ وعدہ ہے، کس کا وعدہ ہے؟ اللہ کا۔ بس سوچ لو کہ وعدہ بھی کس کا ہے! اور اگر مضطر ہو کر، تڑپتے ہوئے دل سے مانگو گے تو پھر کچھ پوچھو مت، ایسی

دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ایک چیز نقد اسی وقت مل جاتی ہے کہ گڑگڑا کر مانگنے سے تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوجاتے ہو،قبولیتِ دعا اگرچہ بعد میں ہو،جیسے موٹر مانگی،مکان مانگا، صحت مانگی،وہ چاہے دس سال کے بعد ملے،اللہ کے محبوب تو اسی وقت بن گئے۔ایک نوجوان شادی کے لئے دعا مانگ رہا ہو کہ یااللہ! نیک بیوی دے جو صورت کی بھی اچھی ہو تاکہ نظر بچانا آسان ہو،اب چاہے اس کی شادی پانچ سال کے بعد ہو،لیکن گڑگڑانے سے وہ اللہ کا محبوب ہوگیا،اللہ کی محبت مل جانا کیا کم انعام ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

از دعا نبود مرادِ عاشقاں
جز سخن گفتن با آں شیریں دہاں

دعا سے عاشقوں کی مراد کیا ہوتی ہے؟ اپنے محبوب اللہ میاں سے باتیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے،اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا،گفتگو کا موقع مل جاتا ہے۔

دعا کا قرب نفلی عبادات کے قرب سے بڑھ کر ہے

جو قرب دعا میں ملتا ہے،اتنا قرب نفل میں نہیں ملتا،نفل میں وسوسے آجاتے ہیں، تلاوت میں وسوسے آجاتے ہیں،مراقبہ کئے ہوئے ہے اور دل کہیں کاروبار میں پہنچ گیا لیکن جب گڑگڑا کر کوئی دعا مانگتا ہے،اس وقت آنسو بہہ رہے ہوں،کوئی پریشانی ہو، کوئی غم ہو،چاہے اللہ کے عشق ہی کی پریشانی ہو کہ یااللہ! ہمیں اتنے دن ہوگئے ہیں، ابھی تک گناہ نہیں چھوٹ رہے ہیں،رحم کردیجئے،اور جب بال سفید ہوگئے تو اور بھی پریشانی بڑھ گئی کہ یااللہ! اپنے بوڑھے بندے کے سفید بالوں پر رحم کردیجئے۔جب انسان خدا کی راہ میں محنت کرتے کرتے اور کبھی کبھی خطائیں ہوتے ہوتے بڈھا ہوجائے تب اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ! اب ہم بوڑھے ہوگئے،بال سفید ہوگئے،اب اس پر آپ خصوصی رحم کیجئے،جیسے دنیا کے مالکان کو اپنے بوڑھے نوکروں پر رحم آتا ہے اور ذلت و خواری اور پٹائی کے اسباب سے رحمت کی وجہ سے اس کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں کہ میرا بوڑھا نوکر ہے،بچپن سے یہاں بوڑھا ہوا ہے،تو آپ بھی ارحم الراحمین ہیں،دنیا کے

مالکان کی رحمت کے خالق ہی آپ ہیں، لہٰذا آپ ازراہِ ترحّم اپنے فرشتوں کو مقرر کردیجئے کہ اگر ہم خطا کرنا بھی چاہیں تو وہ ہمارے کان پکڑ لیں۔

اللہ سے مصیبت اور معصیت دونوں سے حفاظت مانگئے

لہٰذا اللہ سے مانگنا شروع کردو، اللہ سے رونا شروع کردو، کم سے کم تین مرتبہ صلوٰۃِ حاجت پڑھ کر اللہ سے مانگو، گڑگڑا کر مانگو، دنیا اور آخرت مانگو، دونوں جہان مانگو۔ لیکن جتنا ہم مصیبتوں سے پناہ مانگتے ہیں، اگر کسی کو خدانخواستہ ٹی بی ہوجائے، گردے میں پتھری ہوجائے اور ڈاکٹروں نے اس کو کہا کہ کل تمہارا آپریشن کرنا پڑے گا، پیٹ پھاڑا جائے گا، گردے سے پتھری نکالی جائے گی، فرض کرلیجیے کہ وہ یہاں آیا بھی ہوا ہے، تو آج دن بھر وہ کتنی دعا مانگے گا اور دوسروں سے کس قدر دعائیں کرائے گا۔

تو جسمانی مصیبت سے جس طرح رو رو کے دعائیں مانگتے ہو کہ اے اللہ! میرا پیٹ نہ پھاڑا جائے، بغیر آپریشن پتھری نکال دیجئے۔ اگر دو غنڈے چُھرا لئے ہوئے آپ کو جان سے مارنے کے لئے ڈرا رہے ہوں اور آپ سمجھ گئے کہ آج ان سے بچ نہیں سکیں گے، اتنے میں کوئی جاننے والا مہربان دوست نظر آیا، اور وہ ان غنڈوں سے بھی زیادہ طاقت والا ہے تو آپ آکر اس سے لپٹ جائیں گے اور کہیں گے کہ مجھے ان غنڈوں سے بچاؤ اور رونے لگیں گے کہ اگر مزید ذرا سی دیر کردی تو یہ مجھے ماردیں گے، اب آپ مہربانی میں دیر نہ کیجئے۔ تو جن لوگوں کو نفس و شیطان بار بار گناہ کرا رہا ہے، دو دو غنڈے ان کو قتل کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، وہ کیوں نہیں اللہ سے رو رو کر اپنی حفاظت کے لئے فریاد کرتے؟

عافیت کے بارے میں ایک غلط فہمی کی اصلاح

دوستو! گناہ کرنا یہ قتل سے زیادہ خطرناک ہے، مصیبت سے زیادہ معصیت خطرناک چیز ہے کیونکہ مصیبت پر تو اَجر کا وعدہ ہے اور معصیت پر اللہ کا غضب برس رہا ہے، خدا اپنے سے دور کر رہا ہے، اس کے غضب اور قہر کا سامان ہو رہا ہے۔

لہٰذا دونوں سے پناہ مانگو، مصیبت سے بھی اور معصیت سے بھی، تمام بزرگوں نے اس کا اہتمام کیا ہے۔ یہ ہے عافیت کی تشریح جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں کی ہے:
((اَلسَّلَامَۃُ فِی الدِّیْنِ مِنَ الْفِتْنَۃِ وَفِی الْبَدَنِ مِنْ سَیِّئِ الْاَسْقَامِ وَشِدَّۃِ الْمِحْنَۃِ))(مرقاۃ المفاتیح:(رشیدیہ)؛ باب جامع الدعاء؛ ج ۵ ص۳۹۶) عافیت اس کا نام ہے کہ ہمارا دین فتنے سے محفوظ ہو، عقائد کا فتنہ، اعمال کا فتنہ، بدعت کا فتنہ، اور ہر قسم کی نافرمانی سے، چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے ہم کو حفاظت نصیب ہو، اور ہمارا جسم بُری بُری بیماریوں سے مثلاً فالج، لقوہ، کینسر سے محفوظ رہے، اور مشقت والی زندگی سے بھی اللہ بچائے۔ آج کہتے ہیں صاحب! عافیتِ دارین کے لئے دعا کر دیجئے، اور اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ مال دار ہو جائیں، سب بیوی بچے صحت مند رہیں اور گھر میں گناہ ہوتے رہیں، ٹی وی چلتا رہے، کہتے ہیں صاحب! آج کل بڑی عافیت ہے۔ کسی نے پوچھا کہ گھر پر سب عافیت ہے نا؟ تو کہتے ہیں بڑی عافیت ہے، ٹی وی بھی ہے، ریڈیو بھی ہے، وڈیو بھی ہے، بینک بیلنس بھی ہے، اور شامی کباب بھی ہیں اور بعد میں اس کو ہضم کرنے کے لئے سیون اپ کی بوتلیں بھی فریج میں بھری ہوئی ہیں، اور کیا کہنے ہیں، ہر قسم کی فلمیں ہمارے پاس ہیں۔ یہ کیا ہے؟ اس کا نام عافیت رکھا ہوا ہے۔ گھر میں جگہ جگہ تصویریں لگا رکھی ہیں، تصویریں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب مصور کو ہوگا۔ ٹخنہ دیکھو تو پاجامہ، پینٹ گھسٹتی جارہی ہے، ٹخنہ چھپا رکھا ہے جبکہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق اتنا حصہ جہنم میں جلے گا۔ ان چیزوں کی پرواہ نہیں ہے، ناچ گانے ہورہے ہیں، بے پردگی ہورہی ہے، جس مرد کو دیکھو منہ اُٹھائے بیوی صاحبہ کو دیکھنے چلا آرہا ہے، خود اپنی سالی سے پردہ نہیں کررہے، اس سے نظر بازی کررہے ہیں۔

تو مصیبت سے جتنا اہتمام کے ساتھ دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! ہمارے گھر میں کوئی مصیبت نہ آئے، کسی کو کینسر نہ ہو، کسی کو پھیپھڑے میں زخم نہ ہو، کسی کو گردے میں پتھری نہ آئے، کسی کو کوئی بیماری نہ آئے، تو اتنے ہی زیادہ اہتمام سے یہ دعا کریں کہ

اے خدا! آپ کی نافرمانی اور معصیت بھی نہ آئے، ہمارے بچے سر سے پیر تک سنت کے متبع ہوں، ہماری بیویاں سر سے پیر تک سنت کی اتباع کریں، ہمارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی لعنت نہ آنے پائے۔ اس پر آپ لوگ محنت کریں اور جن صاحب کو کچھ مشکلات پیش آئیں، ان کے بیوی بچے اگر مزاحمت کریں تو وہ اختر سے مشورہ لیں، ان شاء اللہ! اپنے بزرگوں کی باتیں ان کو بتاؤں گا، کچھ مشکل ہوگی اپنے بڑوں سے بھی استفادہ کروں گا۔

تدبیر سے پہلے دعا کرنے سے جلد کام بنتا ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک کھونٹا دیوار میں گھس رہا تھا تو دیوار نے کہا اے کھونٹے! میرے اندر مت گھس، تُو اتنی رفتار سے گھس رہا ہے کہ میرا کلیجہ پھٹا جارہا ہے، سائنسدان بتارہے ہیں کہ ۲۰۰ رمیل کی رفتار سے کھونٹا گھس رہا ہے اور اس کا یہ سائز ہے، تو کھونٹا ہنسا اور اس نے دیوار سے کہا ؎

قَالَ الْجِدَارُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِیْ
قَالَ الْوَتَدُ سَلْ مَنْ یَّدُقُّنِیْ

اے دیوار! میری خوشامد مت کر، سائنس دانوں کی تحقیق سے کچھ کام نہیں چلے گا، جو مجھ کو ٹھونک رہا ہے اس کو راضی کرلے، اگر بڑھئی مجھ پر ہتھوڑا نہیں مارے گا تو میں ایک اعشاریہ، ایک بال برابر بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، بس تُو بڑھئی کو راضی کرلے۔ جب بنگلہ دیش میں طوفان آیا تو سائنس دانوں نے پہلے ہی اس کا اعلان کردیا تھا مگر اس کے باوجود آلات و مشین کے ساتھ سائنس دان بھی غرق ہوگئے۔ جب طوفان آتا تھا تو جج اکبر الٰہ آبادی یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

جہاں طوفان میں پھنس کر سفینہ ڈگمگاتا ہے
وہیں قدرِ خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے

اللہ کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا جب بلائیں آئیں، مصیبت آئے تو جلدی سے ڈاکٹر کے پاس مت بھاگو، پہلے اللہ سے چپکے سے دعا مانگ لو۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جب کوئی مصیبت یا غم آئے تو فوراً تدبیر نہ کرواور نہ ہی تدبیر کے متعلق سوچو، اگر تدبیر کا خیال بھی آئے تو استغفار کرو، سب سے پہلے اپنے اللہ سے کہہ لو، فوراً مخلوق کے پاس مت جاؤ، یہ ایک منٹ کا کام ہے کیونکہ خدا ہر وقت دعا کو سنتا ہے۔ اللہ سے سجدے میں دعا کرلو یا ہاتھ اُٹھا کر دعا کرلو کہ یا اللہ! میں ڈاکٹر کے یہاں جا رہا ہوں، اس کے دل میں صحیح دوا ڈال دے، ڈاکٹر کی کھوپڑی میں کوئی اسکروڈھیلا نہ ہونے پائے، کوئی غلط دوا نہ لکھ دے اور اس دوا کو حکم دے دے کہ وہ مجھے شفا دے دے، وہ تیری مخلوق ہے، تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ مگر آج ہم صرف ڈاکٹر کے پیچھے بھاگے چلے جاتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کس کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا پہلے اپنی تمام قوتوں کی اور اپنی تمام تدابیر کی نفی کر دو کہ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اے اللہ! میرے اندر کوئی قوت نہیں ہے، نہ میری تدبیر میں کوئی دم ہے، اصلی قوت آپ کی ہے، اگر آپ اپنی مدد میرے ساتھ شامل کر دیں تو میری یہ مصیبت دور ہو جائے گی، اس کے بعد تدبیر کرے۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ اس شخص کی دعا رَد نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ مجھ پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے، اگرچہ یہ پہلے ہی تدبیر کر سکتا تھا لیکن اس نے نہ اپنا غم کسی سے ظاہر کیا، نہ کوئی تدبیر کی، بلکہ میرے پاس آکر مجھ سے اپنا غم کہہ رہا ہے، یہ جانتا ہے کہ میرے علاوہ کوئی کارساز نہیں ہے۔ پس اللہ کی رحمت کو جوش آتا ہے، جو شخص اپنی قوت کی نفی کرتا ہے، پھر اللہ اپنی قوت دِکھاتا ہے اور اپنی مدد ظاہر فرماتا ہے۔

دعا نازل شدہ اور آنے والی بلاؤں کو دور کرتی ہے

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دعا ہر حال میں مفید ہے:

((اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب الدعوات، ص ۱۹۵)

اس بلا کے لئے بھی مفید ہے جو نازل ہو چکی اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی مگر آنے والی ہے، نازل شدہ بلا کے لئے بھی مفید ہے اور قضائے معلق جو ابھی

نازل نہیں ہوئی، آنے والی ہے، اگلے مہینہ آنے والی ہے یا اگلے سال آنے والی ہے، اس کے لئے بھی دعا کرو کہ اے خدا! آپ نے جو بلائیں میرے لئے آئندہ لکھی ہیں، آپ اپنی رحمت سے اپنے نبی کے وعدہ کے مطابق اس دعا کی برکت سے ہم کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھئے، تو دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان بلاؤں کو بھی دور کر دیتے ہیں جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہیں۔ اب ایک تیسری قضا ہے مبرم، قطعی، وہ ضرور آئے گی، وہ مومن کے رفع درجات کے لئے ہوتی ہے۔

یہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اشکال قائم کیا کہ قضائے مبرم یعنی جو قطعی فیصلے ہیں اگر وہ دعا سے بھی نہیں بدلتے تو پھر دعا کا کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ دعا مانگنے پر بھی وہ تو آ کر ہی رہے گی۔ تو فرماتے ہیں کہ دعا وہاں بھی کرنی چاہیے کیونکہ آپ کو کیا خبر کہ یہ قطعی ہے؟ مبرم ہے یا غیر مبرم؟ ہوسکتا ہے یہ بھی بدلنے والی ہو، آپ کو کیا کوئی وحی آئی ہے؟ کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں کہ یہ قضائے مبرم ہے؟ ہوسکتا ہے یہ معلق ہو، لہٰذا دعا کی سنت پھر بھی ادا کرو۔

دعا کی ایک خاص برکت کہ مصائب لذیذ ہو جاتے ہیں

اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعا کی برکت سے یہ قضائے مبرم یعنی نہ ٹلنے والی قضا بھی جو ہمارے درجات کی ترقی کے لئے آرہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ لذیذ کر دی جاتی ہے:

((بَلْ يَتَلَذَّذُ بِالْبَلَاءِ كَمَا يَتَلَذَّذُ اَهْلُ الدُّنْيَا بِالنَّعْمَاءِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ کتاب الدعوات؛ ج ۵ ص ۱۲۲)

دعا کی برکت سے اس قضا کی تکلیف کو اللہ تعالیٰ ایسا لذیذ کر دیتے ہیں جیسا اہلِ دنیا نعمتوں کو کھاتے ہیں، اس طرح سے اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو لذیذ کر دیں گے یعنی اس کو پریشانی نہیں رہے گی، وہ بلا بلا نہیں رہے گی، دعا کی برکت سے بلوہ کو اللہ میاں حلوہ بنا دیں گے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس

آگ کو گلزار بنا دیا۔ حالانکہ وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آس پاس کی ہر چیز کو جلا رہی تھی، حتیٰ کہ ان رسیوں کو بھی جلا دیا جن میں آپ کو باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا:

((وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ فِيْ ذٰلِكَ الْمَوْضِعِ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَّقَالَ مَا كُنْتُ اَيَّامًا قَطُّ اَنْعَمَ مِنِّيْ مِنَ الْاَيَّامِ الَّتِيْ كُنْتُ فِي النَّارِ))

(تفسیر المظھری: (رشیدیہ)؛ سورۃ الانبیآء، ج ۴ ص ۴۸۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سات روز تک اس آگ میں رہے اور فرمایا کہ مجھے عمر بھر کبھی ایسی راحت نہیں ملی جیسی اس آگ میں ملی تھی۔

دعا مانگنا عبادت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ: (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ)۔ مشکوۃ: ص ۱۹۴

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعا عبادت ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ)

دعا نہ مانگنے والے سے اللہ ناراض ہوجاتا ہے

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ مشکوۃ: (ص ۱۹۵) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے

بندے کو خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ مشکوۃ: ص ۱۹۵

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق! تمہارا پروردگار بڑا حیا مند اور کریم ہے، اپنے بندے سے حیا کرتا ہے جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے

بیمار مسلمان کو اس کی صحت کی عبادت کا ثواب ملتا ہے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَإِنْ شَفَاهُ غَسَّلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَإِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَ لَهٗ وَرَحِمَهٗ۔ مشکوٰۃ:ص ۱۳۶

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان بندے کو جسمانی بیماری پہنچتی ہے (یا مبتلا کر دیا جاتا ہے) تو نیکی لکھنے والے فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے وہ نیک اعمال لکھتا رہ جو یہ صحت کی حالت میں کرتا تھا، اگر اللہ نے شفا دے دی تو اللہ تعالیٰ اس کو دھو دیتا ہے اور گناہوں سے پاک کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس کو موت دے دیتا ہے تو اس کو بخش دیتا ہے اور رحم فرماتا ہے

بیمار مسلمان کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّصِيْبُهٗ أَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔ مشکوٰۃ:ص ۱۳۴

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دیتا (مٹا دیتا) ہے جیسا کہ درخت کے پتّے گرتے ہیں

بیمار کی دعا مثل فرشتوں کی دعا کے ہے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْ لَكَ فَإِنَّ دُعَاءَهٗ كَدُعَاءِ الْمَلٰٓئِكَةِ۔ مشکوٰۃ:ص ۱۳۸

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو تم اس کو اپنے لئے دعا کا کہو کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے

مصائب سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَ

مَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَا عَلَیْہِ مِنْ خَطِیْئَۃٍ۔ مشکوٰۃ: ص ۱۳۶

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان مرد ہو یا عورت ہو، اس کی ذات کو، اس کے مال کو اور اس کی اولاد کو ہمیشہ تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ وہ مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کرتا ہے اس حال میں کہ اس پر کوئی خطا نہیں ہوتی (آزمائشوں کی وجہ سے اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں)

چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو

وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِیَسْأَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْأَلَہٗ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ مشکوٰۃ: ص ۱۹۵

اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی ساری حاجتوں کا سوال اپنے پروردگار سے کرے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگے

بے توجہی سے مانگی گئی دعا کی مثال

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ دعا توجہ سے مانگے، بے توجہی سے مانگی گئی دعا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی حاکم کو اپنی درخواست پیش کرے اس طور پر کہ حاکم کی طرف پیٹھ کرے اور اپنا منہ اپنے کسی دوست کی طرف کر لے، اور عرضی پڑھنا شروع کرے، دو جملہ پڑھ کر دوست سے ہنسی مذاق کرنے لگے، پھر دو جملہ پڑھے۔ ایسی دعا کس طرح قبول ہوگی بلکہ اُلٹا یہ شخص سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

مالِ حرام کی نحوست سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں

((ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَّمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَّغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟))

(صحیح مسلم: (قدیمی)؛ باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب؛ ج ۱ ص ۳۲۶)

حدیث شریف میں ہے کہ بعض لوگ گڑگڑا گڑگڑا کے دعا مانگتے ہیں لیکن ان کا کھانا حرام کا ہوتا ہے، ان کا لباس حرام کا ہوتا ہے، اس لئے ان کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

تخلیقِ خیر وشر حکمت سے خالی نہیں

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، وہ خالقِ خیر وشر ہے، جس طرح تخلیقِ خیر حکمت سے خالی نہیں، اسی طرح تخلیقِ شر بھی حکمت سے خالی نہیں مثلاً ظلمت سے نور کی، کفر سے ایمان کی معرفت ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی طرف سوء کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است

چوں بہ ما نسبت کنی کفر، آفت است

کفر کو پیدا کرنا اللہ پاک کی عین حکمت ہے لیکن جب کفر کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے اور بندہ اس کو اختیار کرتا ہے تو کفر اس کے لئے آفت و بدنصیبی و شقاوت ہے۔ معلوم ہوا کہ جزا اور سزا کسب پر ہے۔ جو ایمان کو کسب کرتا ہے اچھی جزا پاتا ہے اور جو کفر کا مرتکب ہوتا ہے سزا پاتا ہے۔ اس کی مثال میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی کہ جیسے حکومت نے بجلی بنائی اور بتادیا کہ فلاں فلاں سوئچ کو دبانا لیکن فلاں سوئچ کو نہ دبانا، پھر اگر کوئی ممنوعہ سوئچ کو دباتا ہے تو پکڑا جاتا ہے کہ تم نے وہ سوئچ کیوں دبایا؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ خالقِ خیر وشر ہیں اور حکم دے دیا کہ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو، پھر اگر کوئی شر اختیار کرتا ہے تو اسی پر مواخذہ اور پکڑ ہے کہ جب ہم نے منع کردیا تھا تو تم نے اسے کیوں اختیار کیا۔

اللہ کا فیصلہ اللہ پر حاکم نہیں، محکوم ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ اللہ کی تقدیر نہیں بدل سکتی: لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (سورۂ یونس: آیت ۶۴) تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے فیصلے کو مخلوق نہیں بدل سکتی، یہ نہیں کہ نعوذ باللہ! اللہ میاں بھی بدل نہیں سکتے۔

بگذراں از جان ما سوء القضا

وا مبر ما را زِ اخوانِ الصفا

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعا مانگی کہ اے خدا! آپ کا جو فیصلہ ہے یہ آپ کا محکوم ہے، آپ اس پر حاکم ہیں لہٰذا اگر میرے لئے آپ نے دوزخ لکھی ہے تو جنت لکھ دیجئے، اپنے فیصلے کو بدل دیجئے، کیونکہ آپ کا فیصلہ آپ کا محکوم ہے، آپ پر حاکم نہیں ہے۔ اگر آپ اپنے فیصلے کو نہ بدل سکتے تو یہ آپ کی شان کے خلاف ہے، کیونکہ آپ کا فیصلہ آپ پر حاکم نہیں ہوسکتا، آپ اپنے محکوم کو بدل دیجئے اور ہماری اس سوءِ قضا کو حسنِ قضا بنا دیجئے۔

حدیثِ پاک کی دعا ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ جَھۡدِ الۡبَلَآءِ وَ دَرۡکِ الشَّقَآءِ وَسُوۡٓءِ الۡقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الۡاَعۡدَآءِ اس حدیثِ پاک میں سوءِ قضا سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اگر میری تقدیر میں کوئی شقاوت، بدبختی اور سوءِ قضا یعنی وہ فیصلے جو میرے حق میں بُرے ہیں لکھ دیئے گئے ہیں تو آپ ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے، شقاوت کو سعادت سے اور سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے۔ یہاں ''سوءِ'' کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے یعنی برائی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہوسکتا لیکن جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے، اس کے حق میں بُرا ہے جیسے جج کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دیتا ہے تو جج کا فیصلہ بُرا نہیں، یہاں برائی کی نسبت جج کی طرف نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے تو انصاف کیا ہے لیکن جس مجرم کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہے اس کے حق میں بُرا ہے۔

خدا جب چاہے اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے

حدیثِ پاک میں سوءِ قضا سے پناہ کی درخواست سے معلوم ہوا کہ اگر سوءِ قضا کا حسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا یا منشاءِ الٰہی کے خلاف ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمت کو یہ دعا نہ سکھاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمت کو سکھایا کہ اللہ تعالیٰ سے فیصلے بدلوا لو، تقدیریں بدلوا لو، تقدیر مخلوق نہیں بدل سکتی مگر خالق اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب الدعوات، ص ۱۹۴)

کہ دعا کے علاوہ تقدیر کو کوئی چیز نہیں پھیرتی۔ میرا شعر ہے ؎

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے

تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کہ قیامت کے دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی کہ وہ تو قانونِ مملکت کے پابند ہوتے ہیں، قانون کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، کسی مجرم کو قانون کے خلاف رہا نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن کا مالک ہوں، میں قاضی اور جج کی طرح پابندِ قانون نہ ہوں گا، جو گنہگار قانون کی رو سے جہنم کا مستحق ہوگا تو میں قانون سے مجبور نہ ہوں گا کہ اسے جہنم ہی میں ڈال دوں، جس کو چاہوں گا اپنے مراحمِ خسروانہ سے، اپنی رحمتِ شاہانہ سے بخش دوں گا۔

دشمنوں کی ضرر رسانی سے بچنے کا وظیفہ اور دعا

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اگر کوئی ۴۱ ۳ دفعہ پڑھے تو یہ دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لئے ہے کہ دشمن اس پر غالب نہ ہوں، اور دشمن ہوں یا نہ ہوں ۴۱ ۳ مرتبہ پڑھو (ایک مرتبہ چند لوگ مل کر پڑھ لیں) تاکہ حاسدین پہلے ہی سے مغلوب ہو جائیں۔ دشمن اور حاسد یہی پسند کرتے ہیں کہ اس کو ترقی حاصل نہ ہو، پس جب کوئی دشمن کھڑا ہو جائے تو یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى اَعْدَائِنَا اے اللہ! ہمارے دشمنوں پر اپنی مدد بھیج دیجئے، ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ اس کو دوست بنا دیں گے۔ اگر دوست نہ بنا تو کم از کم اس کو بے ضرر کر دیں گے اور اس کو اس کی زندگی میں ایسی فکر دے دیں گے کہ اسے فرصت ہی نہیں ملے گی کہ دشمنی کرے۔ دشمن کو اللہ تعالیٰ دعا سے یا تو دوست بنا دیتے ہیں یا پھر ایسی فکروں میں مشغول کر دیتے ہیں کہ اس کو ضرر پہنچانے کی فرصت ہی نہیں ملتی، اپنے ہی آٹے، دال، نمک میں لگ جاتا ہے۔

پریشانی سے نجات اور جائز حاجت کا وظیفہ

ارشاد فرمایا کہ ہر قسم کی جائز حاجت و پریشانی کے لئے میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک وظیفہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار نام پڑھا کریں۔ وہ چار نام کون سے ہیں؟ **یَاصَمَدُ، یَاعَزِیْزُ، یَامُغْنِیُ، یَانَاصِرُ**۔ حضرت نے مدینہ شریف میں اس کے فوائد بیان کئے اور وہاں بھی حضرت کے پاس جو کوئی حاجت و پریشانی لے کر آیا تو حضرت نے سب کے لئے مجھ سے فرمایا کہ انہیں **یَاصَمَدُ** والا وظیفہ بتادو کہ ہر نماز کے بعد سات دفعہ یہ وظیفہ پڑھیں، اور اول آخر گیارہ گیارہ بار مختصر درود شریف پڑھ کر دعا کرلیں۔

یَاصَمَدُ، یَاعَزِیْزُ، یَامُغْنِیُ، یَانَاصِرُ کا وظیفہ پڑھنے کی تعداد

ہر نماز کے بعد پڑھنے کے علاوہ صرف ایک مرتبہ ہفتہ بھر میں (۱۱۱) بار اور پڑھ لیں۔ اب آپ پوچھیں گے کہ ایک سو گیارہ میں کیا خاص بات ہے؟ تو اللہ پاک کا ایک نام کافی ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ابجد سے اللہ کے اس نام ''کافی'' کے حروف ۱۱۱ بنتے ہیں لہٰذا جو ایک سو گیارہ مرتبہ اس وظیفے کو اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھے گا، ان شاء اللہ! اللہ اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

ہر شر سے حفاظت کا مسنون عمل

ارشاد فرمایا کہ کل میری گھر والی کے پاس ایک عورت آئی تھی، اس نے کہا کہ میرے سسرال سے افطاری آئی تھی، اس میں سے یہ تعویذ نکلا ہے، وہ تعویذ اپنے ساتھ لائی تھی۔ جب میں نے تعویذ دیکھا تو وہ اچھا تعویذ تھا یعنی میاں بیوی میں محبت کرانے کا تعویذ تھا لیکن لوگ تعویذوں سے ڈر جاتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تعویذ سے ڈرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، جہاں سے تعویذوں میں اثر آتا ہے اس سے رابطہ قائم کرلیں۔ جو اللہ کا ہو گیا دنیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے اور جس کو خدا نہ رکھے

ساری دنیا اس کو چکھے۔ جو صبح شام تینوں قل پڑھ لے یعنی جو سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس تین تین دفعہ روزانہ صبح شام پڑھ لے، دنیا بھر کا کالا عمل، دنیا بھر کے جنات اس کا ایک بال بھی نہیں بگاڑ سکتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک الفاظ ہیں:

((قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُصْبِحُ وَ حِيْنَ تُمْسِیْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب فضائل القرآن، ص ۱۸۸)

یہ وظیفہ تمہارے لئے ہر چیز کے لئے کافی ہے اور جس کے لئے خدا کافی ہو تو اللہ کے مقابلہ میں جنات کیا ہیں؟ ایک فرشتہ کو اللہ حکم دے دے اور وہ چیخ مار دے تو سارے جن مر جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول (مرقاۃ، مکتبہ رشیدیہ، جلد نمبر ۵ صفحہ ۵۵ پر) نقل کیا ہے کہ اَیْ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ اَوْ مِنْ كُلِّ وِرْدٍ یعنی یہ عمل ہر شر سے حفاظت کے لئے کافی ہے خواہ کوئی شر ہو، سانپ کا شر، بچھو کا شر، پڑوسی کا شر، جنات کا شر، آسیب کا شر، کسی قسم کا ڈاکہ اور قتل کرنے والوں کا شر سب سے محفوظ رہو گے، ان شاء اللہ تعالیٰ! اور اگر کوئی دوسرا وظیفہ نہ پڑھ سکے تو یہ ورد تمام وظائف سے بے نیاز کر دے گا۔

مخلوق کی محتاجی سے بچنے کا ایک وظیفہ

ارشاد فرمایا کہ کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی کے محتاج نہ ہوں یا مخلوق کا محتاج ہونا پسند کرتے ہیں؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اتنا دے کہ ہم دوسروں کو بھی کھلائیں یا جتنا ملے سب سمیٹ کر بکس میں رکھتے رہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو آج ڈھاکا نگر میں دین کا یہ جو کام ہو رہا ہے یہ نہ ہوتا، کیا میں پاکستان سے یہاں مفت میں آ جاتا ہوں؟ کیا جہاز کے ٹکٹ کے لئے رقم خرچ نہ ہوئی ہوگی؟ آپ لوگوں کے جنہوں نے مجھے یہاں بلایا، ان کے پیسے لگے ہیں، زرِ کثیر صَرف ہوتا ہے۔ تو ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں کسی کا محتاج نہ رہوں اور یہ بھی چاہتا ہے کہ خدا ہمیں اتنا دے کہ دوسروں کو بھی کھلائیں۔

تو اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں تو آپ (اپنے شیخ سے پوچھ کر) یہ وظیفہ پڑھا کیجئے: یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ آپ کہیں گے کہ ''یا ذاالجلال والاکرام'' پڑھنے سے رزق میں اضافہ کا کیا تعلق ہے؟ اب اس کی تفسیر سن لیں ان شاء اللہ! آپ کو مزہ آجائے گا۔
علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اس کی تفسیر کی ہے:

((صَاحِبُ الْاِسْتِغْنَآءِ الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْفَیْضِ الْعَامِ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ الرحمٰن؛ ج ۲۷ ص ۱۵۵)

''یا ذاالجلال'' معنی اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے، اسے پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے علاوہ آپ کو کسی مخلوق کا محتاج نہیں ہونے دے گا۔ اور ''والاکرام'' کی تفسیر ہے جس کی بخشش عام ہو کیونکہ استغناء میں خطرہ تھا کہ بندوں کو یہ وسوسہ آسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں تو شاید ہمارا خیال نہ کریں گے۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب بڑے بے نیاز ہیں، بہت مستغنی مزاج ہیں، کسی کا کام نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اس اشکال کو دور کر دیا کہ میں صاحب الاستغناء المطلق تو ہوں مگر تمہارے دکھ درد سے مستغنی نہیں ہوں، میں صاحب الفیض العام بھی ہوں، میرا فیض عام ہے۔ اس نام کی برکت سے اللہ ہم کو آپ کو اتنا دے گا کہ ہم دوسروں کو بھی دیں گے۔

اور اگر اس کو پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر اپنے چہرے پر مَل لیجیے تو آپ کے چہرے پر ایک عظمت، ایک عزت اور ایک جلال رہے گا، دوسرا آپ کو ستا نہیں سکے گا، کسی کی ہمت نہیں ہوگی کہ آپ سے آنکھ ملائے، اللہ آپ کے چہرے پر اپنی جلالتِ شان ڈال دے گا۔ ترمذی شریف کی روایت ہے:

((اَلِظُّوْا بِیَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ))

(جامع الترمذی: (ایچ ایم سعید)؛ ابواب الدعوات؛ ج ۲ ص ۱۹۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اے میری اُمت کے لوگو! یا ذاالجلال والاکرام پڑھا کرو۔ یہ نبی علیہ السلام کا بتایا ہوا وظیفہ ہے۔ کیوں جناب! کیا نبی کا وظیفہ پیروں کے وظیفہ سے اعلیٰ نہیں ہوتا؟

شرح حدیث اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا فرماتے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیة)، ج ۲ ص ۸۲، رقم الحدیث ۳۶۷۲)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے بہت زیادہ صبر کرنے والا اور بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دیجئے۔ اس دعا میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صبر کی اقسامِ ثلٰثہ مانگی ہیں:

(۱)... اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَةِ یعنی نیک اعمال پر قائم رہنا۔

(۲)... اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَةِ مصیبت میں صابر رہنا۔

(۳)... اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَةِ گناہوں سے بچنے کی تکلیف اُٹھانا۔

اے اللہ! ہمیں صبر عطا فرما کہ (۱) ہم نیک اعمال پر قائم رہیں، (۲) اور مصیبت میں آپ پر اعتراض نہ کریں کہ کیوں ہم کو یہ مصیبت ملی؟ مصیبت سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا درجہ بلند کرتا ہے، گناہوں سے پاک صاف کرتا ہے۔ ماں میل کچیل چھڑاتی ہے تو بچہ چلّاتا ہے مگر بعد میں چمک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو مصیبت دے کر ان کی خطائیں معاف کرتے ہیں اور صبر کی برکت سے نسبت مع اللہ کا اعلیٰ مقام دے دیتے ہیں، (۳) اور الصبر عن المعصیة بھی عطا فرما دیجئے کہ نافرمانی کے تقاضوں کے وقت ہم صابر رہیں اور نافرمانی نہ کریں اور نافرمانی سے بچنے کا غم اُٹھا لیں۔

حقیقی شکر کیا ہے؟

آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا مانگتے ہیں: **وَاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا** اور ہمیں شکرِ نعمت کی توفیق بھی دیجئے اور اس کی حقیقت تقویٰ ہے کہ ہم گناہ نہ کریں۔ اصل شکر گذار بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرتا۔ اس کی دلیل سن لو، میں تصوف بلا دلیل پیش نہیں کرتا۔ **لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللہُ بِبَدْرٍ** اے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی **وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ** اور تم سخت کمزور تھے **فَاتَّقُوا اللہَ** پس تم تقویٰ سے رہا کرو اور ہم کو ناراض مت کرو

لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ تاکہ تم حقیقی شکر گذار بن جاؤ۔ شکر یہ نہیں کہ منتخب بوٹی کھا کر کہہ دیا کہ یااللہ! تیرا شکر ہے اور گناہ سے باز نہ آئے، اس طرح شکر کا حق ادا نہیں ہوا۔ زبان سے شکر کی سنت تو ادا ہوئی لیکن جب گناہ سے بچو، نظر بچاؤ، عیناً، قلباً و قالباً حسینوں نمکینوں سے دور رہو تب سمجھ لو اب شکرِ حقیقی نصیب ہوا۔ تو وَاجۡعَلۡنِیۡ شَکُوۡرًا کے معنی کیا ہیں: اَیۡ وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ یہ ترجمہ حکیم الامت کا ہے کہ مجھے متقی بنا دیجئے۔

اس لئے یہ کہتا ہوں کہ ہر نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرو، ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرو، تشکر کی کیفیت غالب رہے تو تکبر پاس نہیں آئے گا۔ تکبر سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر تشکر غالب ہو کیونکہ تشکر سببِ قرب ہے، شکر کرنے سے قربِ الٰہی بڑھتا ہے اور تکبر سے بُعد اور دوری ہوتی ہے اور دوری اور حضوری میں تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔

عاملین کا فتنہ اور اس کا رَد

ارشاد فرمایا کہ فلاں صاحب ایک عامل کو لائے اور مجھ پر زور ڈالا کہ بس آپ ان کو دکھلا دیجئے، یہ بتا دیں گے کہ آپ کو کیا ہے؟ (یعنی مرض ہے، جن ہے یا جادو ہے؟) میں نے کہا کہ میں نہیں دکھلاتا۔ ان عاملین کے چکر میں ہرگز نہیں پڑنا چاہیے، ہمیں تو جان دینا قبول ہے مگر ان کے چکروں میں پڑنا قبول نہیں۔ صحابہ کے دور میں کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لوگ عاملین کے چکر میں آئے ہوں۔ جاہل لوگ اس میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ جب کوئی پریشانی آئے، مرض ہو ہمیں تو سنت کا طریقہ محبوب ہے کہ دو نفل پڑھ کر اللہ سے اپنا غم کہہ دو اور بے فکر ہو جاؤ۔ حدیثِ پاک ہے: اِذَا حَزَبَہٗ اَمۡرٌ فَزِعَ اِلَی الصَّلٰوۃِ جب کوئی پریشانی آتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی طرف دوڑتے تھے۔ دعا سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے۔ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کبھی میں نے جھاڑ پھونک کو اہمیت دی تو جنوں نے کبھی میری گھڑی توڑ دی، کبھی کوئی اور چیز توڑ دی۔ تو فرمایا کہ ان عملیات کے چکروں میں پڑنا ہی نہیں چاہیے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اس عامل کو دکھاؤں؟ میں نے کہا ہرگز مت دکھاؤ۔ عہدِ صحابہ میں عاملین کا وجود

نہیں تھا، جو چیز خیر القرون میں نہیں تھی، یعنی نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی، نہ صحابہ کے زمانے میں تھی، نہ تابعین کے زمانے میں تو اَب ۱۴؍سو برس کے بعد ان عاملین نے کھانے پینے کا چکر بنا رکھا ہے۔ عاملوں سے فائدہ ہونا کوئی کمال نہیں، فائدہ تو چھو چھکڑ سے نفسیاتی طور پر ہو ہی جاتا ہے۔ اب یہ جو عامل آیا تھا مفتی حسین بھیات نے بتایا کہ اپنی جھاڑ پھونک میں جے پال جوگی کا نام لیتا ہے۔ بتایئے! کیا ہندوانہ نام سے برکت ہوگی؟ یہ خود غیر اللہ ہے اور غیر اللہ سے استمداد ہے اور غیر اللہ سے استمداد حرام ہے بلکہ شرک ہے۔

یَا قَھَّارُ کا وظیفہ

بس اللہ کا نام لو۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام قھار ہے جس کے معنی ہیں: اَلَّذِیْ یَکُوْنُ کُلُّ شَیْءٍ مُّسَخَّرًا تَحْتَ قَدْرِہٖ وَقَضَاءِہٖ وَقُدْرَتِہٖ قھار وہ ذات ہے کہ ہر چیز جس کی قضا و قدرت کے تحت ہے۔ اس میں شیاطین اور جنات اور جادو سب آ گیا، کیونکہ سب اس کی قدرت کے تحت ہیں۔ لہٰذا اس نام کو ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھ کر دعا کرو کہ اے اللہ! آپ کا نام لیا، جس کے معنی ہیں کہ ہر چیز آپ کی قدرت کے تحت ہے، اس نام کے صدقہ میں مجھ پر اگر جن، جادو یا بیماری جو کچھ بھی ہے اس کو بھگا دیجئے۔ ہم کہتے ہیں کہ موت قبول کر لو، اپنے اللہ سے مل جاؤ مگر ان نالائق عاملین سے علاج نہ کراؤ جو جے پال سنگھ کو پکار کر ایمان خراب کرتے ہیں۔ ہم اللہ پر جان دے سکتے ہیں مگر عاملین کے ہاتھوں ایمان دے کر ہمیں حیات نہیں چاہیے۔ جب اللہ کے پاس جانے کا مقررہ وقت آ جائے گا تو کیا کوئی عامل روک سکتا ہے؟ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن جے پال جوگی کا نام لینا غیر اللہ کو پکارنا ہے اور ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ میں اللہ کے نام یا قھار کا اللہ کی رحمت کو واسطہ دیتا ہوں کہ یا اللہ! اپنے نام یا قھار کی برکت سے ہمیں ہر مصیبت سے نجات عطا فرمایئے اور اپنی حفاظت نصیب فرمایئے۔ کوئی شے نہیں جو اللہ کی قدرت سے خارج ہو تو ہم کیوں غیر اللہ کی خوشامد کریں۔ کسی حدیث میں دکھا دو کہ جب کوئی نہ اچھا ہو تو اس کو عاملین کو دکھاؤ؟ ہے کسی حدیث میں؟ عاملین کے دماغ ان کی خوشامد کر کے

ہم لوگوں نے خراب کئے ہیں۔ اکثر عاملین نے عملیات کو دھندا بنا رکھا ہے اور یہ تو طے ہے کہ عاملین صاحبِ نسبت نہیں ہوتے۔ یہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عاملین کی نسبتِ باطنی فوت ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی نظر اللہ سے ہٹ کر عملیات پر ہو جاتی ہے۔

گمراہ عاملین سے بچنے کی نصیحت

ارشاد فرمایا کہ قضا وقدر اللہ کے اختیار میں ہے، روزی کا گھٹانا بڑھانا اللہ کے اختیار میں ہے، یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ اللہ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا اختیار قرآن شریف میں بیان کیا ہے تو اللہ کا کلام کیسے غلط ہو سکتا ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، ساری دنیا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ لہٰذا گمراہ لوگوں کے پاس جانا، ایسے کام جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوں ہرگز نہ کریں۔ مسلمان عقیدہ خراب کر کے جہنم میں جائے اس سے بہتر ہے کہ صحیح عقیدہ لے کر مر جائے اور جنت میں جائے۔ موت کا وقت مقرر ہے: لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو وقت میں نے لکھ دیا ہے اس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اس لئے اللہ کی قضا وقدر پر راضی رہو اور اللہ ہی سے مدد چاہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ کی زندگی کا ہر عمل بہترین نمونۂ حیات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۂ احزاب: آیت ۲۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۂ اخلاص، فلق اور ناس تینوں سورتیں جو پڑھے گا مخلوق کے ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ صحابہ کے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں کہ کوئی مصیبت آئی اور عامل کے پاس پہنچ گئے لہٰذا کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے ایمان کو نقصان پہنچے، ایمان سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر ایمان پر خاتمہ ہو گیا تو جنت ہمیشہ کے لئے ہے، جہاں موت بھی نہیں، اور اگر خدانخواستہ ایمان ضائع ہو گیا تو جہنم ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس لئے ایمان کو ضائع نہ کرو، ہر کام کو ایسے مفتی سے پوچھ لو جو متقی بھی ہو،

اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ مفتی اگر اللہ سے ڈرنے والا ہے تب مفتی ہے لیکن اگر اللہ سے نہیں ڈرتا تو مفتی نہیں ہے، مفت کا ہے، معلوم نہیں کیا سے کیا کہہ دے اور خدا سے ڈرنے والا سچی بات کرے گا۔

شریعت کے خلاف کسی بھی عالم کا عمل حجت نہیں

(جنوبی افریقہ میں بعض لوگوں نے ہندوستان سے ایک عامل کو بلایا تھا جو عالم بھی تھا لیکن اپنے عملیات میں ایک ہندو کا نام لیتا تھا۔ حضرت والا نے ایسے عامل سے علاج کرانے کی وقتاً فوقتاً سختی سے تردید فرمائی)

ارشاد فرمایا کہ غیر اللہ کے لئے کوئی کام کرنا شرک ہے اور اللہ کے لئے، اللہ کی رضا کے لئے کام کرنا حقِ عبدیت ہے۔ اپنی زندگی کی کوئی سانس اللہ کی مرضی کے خلاف نہ گزارو اور ہر سانس اللہ کی مرضی پر فدا کرو۔ اللہ مجھ کو بھی توفیق دے اور میرے سب دوستوں کو بھی توفیق دے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا عمل بھی حجت نہیں جب تک کہ شریعت کے تابع نہ ہو، جب تک شریعت اس کی تائید نہ کرتی ہو۔ جیسے یہ عامل آئے تھے جو عالم بھی ہیں لیکن عملیات میں جے پال جوگی کا نام لیتے ہیں، یہ کہاں جائز ہے؟ بلکہ ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ عالم کے لئے بھی شریعت کا پابند ہونا ضروری ہے۔ شریعت کی اتباع فرض ہے نہ کہ کسی کا عمل۔ اگر کسی عالم کا عمل شریعت کے خلاف ہے تو اس کے عمل کی اتباع نہیں کی جائے گی، شریعت کی اتباع کی جائے گی۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عملیات سے نسبتِ باطنی فوت ہوجاتی ہے، کوئی عامل صاحبِ نسبت نہیں ہوتا۔ غیر اللہ سے استمداد کرنا جائز نہیں بلکہ ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ اگر دَم ہی کرنا ہے تو قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر دَم کرو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ**۔ اگر عملیات کا ایسا عمل دخل ہوتا تو جتنے اہلِ حق عالم گزرے ہیں ان کو مخالفین عملیات سے مغلوب کردیتے اور اہلِ حق پر جادوگروں سے جادو اور جن چڑھا دیتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت کو

کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو جادوگروں کا محتاج نہیں فرمایا کہ ان کی خوشامد کریں کہ بھئی! ہم پر جادو نہ کرنا، جن نہ چڑھانا۔ اللہ جس کو رکھے اس کو کون چکھے۔ لہٰذا اللہ پر نظر رکھو، ان عاملوں کے چکر میں مت پڑو، اللہ سے رجوع کرو۔

سنت تو یہ ہے کہ دنیا میں چین سے رہنا ہے تو اللہ کے ولی ہو جاؤ اور اللہ کے ولی کون ہیں؟ جو گناہ سے بچتے ہیں۔ جو اللہ کا ولی ہو جائے تو دوست اپنے دوست کی حفاظت نہ کرے گا؟ یہ تو کمزور آدمی ہوتا ہے جو اپنے دوست کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ سوچتا ہے کہ دشمن تگڑا ہے، میں خود پٹ جاؤں گا تو دَبک جاتا ہے، اس لئے دوست کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے، وہ ہمیشہ اپنے دوستوں کی حفاظت کرتا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ گناہ کے ساتھ اللہ نہیں ملے گا، گناہ سے توبہ کرنے سے ملے گا، لہٰذا گناہ سے توبہ کرلو۔ ابھی توبہ اختیار میں ہے، توبہ کر کے پاک ہو جاؤ۔

مقتداء کو گمراہ لوگوں سے نہیں ملنا چاہیے

(اسی عامل کے بارے میں جب حضرت والا دامت برکاتہم کو بتایا گیا کہ اس نے بعض مقامی علماء کا بھی علاج کیا تو حضرت والا نے اس کا رَد فرمایا اور۔۔۔۔)

ارشاد فرمایا کہ ایسے گمراہ شخص سے تعویذ لینا، علاج کرانا اور ملنا جائز نہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو مقتداء ہو یعنی جس کی لوگ پیروی کرتے ہوں، ایسے شخص کو بعض ایسے جائز کام کرنا بھی جائز نہیں جس کی وجہ سے عوام فتنہ میں پڑ جائیں، ان کا عقیدہ خراب ہو جائے یا وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ دیکھو موت آئے گی اور اپنے وقت پر آئے گی لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہوسکتا لہٰذا ان چیزوں کے چکر میں پڑ کر اپنا عقیدہ کیوں خراب کرتے ہو؟ ان عاملین کو اگر دکھاؤ تو کچھ نہ کچھ بتا دیں گے کہ آپ پر سحر ہے، اور اتنے سال سے ہے، اور آپ کا کوئی مخالف ہے۔ ارے کون سا ایسا انسان ہے جس کا کوئی مخالف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ دنیا میں بھیج رہا ہوں

لیکن تمہارا بعض بعض کا دشمن ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خبر ہے، کیسے غلط ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں۔ بھلا ارحم الراحمین اپنے بندوں کو پیدا کر کے یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ جو چاہے جنات آسیب جادو سے ان کو مار دے؟ لہٰذا ارحم الراحمین نے جب پیدا کر دیا تو اپنے ۹۹ ر نام بھی دے دیئے کہ جس قسم کی ضرورت ہو، ہمارے ناموں سے انتخاب کر کے پڑھو یعنی اُس نام سے ہمیں پکارو، ہم تمہاری حاجت کو پورا کریں گے خواہ کتنی ہی حاجتیں ہوں، ہمارے ۹۹ ر نام تمہاری تمام حاجتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

پھر ان کے ہوتے ہوئے عاملوں کی کیا ضرورت ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم عملیات نہیں کرتے تھے، ان کو تو سنت سے عشق تھا۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتا دیا وہی کرتے تھے، وہی اوراد پڑھتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمائے مثلاً تینوں قل تین تین مرتبہ صبح و شام اور حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ... رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ سات مرتبہ صبح و شام۔

لہٰذا صبح و شام یہ اوراد پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ! عاملوں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ قرآن شریف میں ہے کہ پہلے جنات انسانوں سے ڈرتے تھے اور جنگلوں میں رہتے تھے لیکن جب سے انسانوں نے جنوں کی دہائی دینی شروع کی کہ جن بابا! دہائی ہے تو انہوں نے کہا ارے! یہ تو ہم ہی سے ڈرتے ہیں، اس لئے ان پر مسلط ہونے لگے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا
اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

❁❁❁❁❁

درسِ تسلیم و رضا

ارشاد فرمایا کہ بندے کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیے۔ حالات موافق ہوں تو شکر ادا کرو کہ اے اللہ! میں اس قابل نہ تھا، میری نااہلیت کے باوجود آپ نے اپنا فضل فرمایا، اور اگر حالات مخالف ہوں تو اور یقین رکھو کہ اس میں ہی تمہاری کوئی مصلحت ہے البتہ اپنی حاجت کے لئے گریہ وزاری کرتے رہو، مانگتے رہو لیکن شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ آئے نہ دل میں کوئی غلط خیال رہے مثلاً کسی کی شادی نہیں ہوتی تو یوں سوچنے لگے کہ اگر ہمارے پاس مال و دولت ہوتی تو ہماری بھی شادی ہوجاتی۔ خوب سمجھ لو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، پوری کائنات اور کائنات کا ہر ذرّہ اس کی زیرِ ربوبیت ہے۔ دولت مند لوگ اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ اگر امیروں کو آرام میں دیکھتے ہو تو وہ بھی اللہ کی ربوبیت کی ایک شان ہے۔ امیروں کا یہ آرام روپیہ پیسہ کی وجہ سے نہیں ہے، مال میں یہ اثر نہیں ہے کہ ان کی خواہشات کو پورا کردے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں جس حال میں رکھتے ہیں، کتنے امیر ایسے ہیں کہ مال دھرا رہ جاتا ہے اور ان کی آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔

کفار جو دنیا میں عیش اُڑا رہے ہیں کیا کسی مسلمان کے دل میں نعوذ باللہ! یہ تمنا ہوسکتی ہے کہ ہم بھی کافر ہوتے کہ خوب عیش اُڑاتے۔ ایسی تمنا کرنا بھی کفر ہے۔ خوب سمجھ لو کہ روس اور امریکہ بہ رعایت مراحمِ خسروانہ زندگی کے ایام گذار رہے ہیں، کبھی ان پر لالچ نہ کرنا، یہ پھانسی کے مجرم ہیں جسے حکومت نے اپنے خزانہ سے روپیہ دے دیا ہے کہ پھانسی لگنے سے پہلے پہلے عیش کرلے تاکہ کوئی آرزو دل میں نہ رہ جائے۔ کیا ایسے مجرم کو کھاتا پیتا دیکھ کر کوئی یہ آرزو کرے گا کہ کاش ہمیں بھی یہ عیش مل جاتا؟ ارے! تمہارے پاس تو وہ دولت ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے بے قیمت ہے۔ اپنے پاس خزانہ چھپائے ہوئے ہو اور دربدر کوڑیوں کی بھیک مانگتے پھرتے ہو؎

یک سبد پُر ناں ترا بر فرقِ سر	تو ہمی جوئی لبِ ناں دربدر

ترجمہ: روٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری تیرے سر پر رکھی ہے اور تُو روٹی کے ٹکڑے کے لئے دربدر مانگتا پھرتا ہے۔ دولتِ ایمان کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ جیسے اہلِ دنیا چاندی کے سکّوں کی حفاظت کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ایمان کی حفاظت اور اس کی ترقی کی دُھن ہونی چاہیے۔

(اقتباس از کتاب خزائنِ معرفت و محبت)

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ